بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجھن کی سلجھن

مولف

مولانا حافظ محمد یونس ضیاء القادری

خطیب

سنی رضوی جامع مسجد چک نمبر 58 گ ب (شاہکوٹ کڑیال روڈ)

تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد

فون: 0302-3443655 / 0302-6076619

نام کتاب ــــــ "ذِکر و فِکر"
مُصنّف ــــــ علامہ ابُوالحسّان حکیم محمّد رمضان علی قادری
طابع وناشر ــــــ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ - کراچی
صفحات ــــــ ۱۵۲
تعداد ــــــ ۱۰۰۰
طبع ــــــ اوّل
ماہِ اشاعت ــــــ مارچ ۱۹۹۸ء
طبع ــــــ دوئم
تعداد ــــــ ۱۵۰۰
ماہِ اشاعت ــــــ (محرم الحرام ۱۴۲۰ھ) ــــ اپریل ۱۹۹۹ء
طبع ــــــ سوئم
تعداد ــــــ ۲۰۰۰
ماہِ اشاعت ــــــ فروری ۲۰۰۰ء
طبع ــــــ چہارم ــــــ تعداد ــــــ ۱۰۰۰
ماہِ اشاعت ــــــ (شوال المکرم ۱۴۲۳ھ) ــــ جنوری ۲۰۰۳ء
قیمت ــــــ

ملنے کے پتے : (۱) حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ
۶۸ - ۶۷، اوورسیز ہاؤسنگ سوسائٹی، بلاک ۷/۸ - کراچی
(۲) شرکت قادریہ - سنجھورو سندھ پوسٹ کوڈ :- ۶۸۲۲۰

نذر بحضور لامع النُّور

طبیب رُوحانی، مرشدِ ربّانی، مخزنِ عرفانی

حضرت شاہ محمّد افضل

قادری، چشتی (صابری، نظامی) قلندری

(المعروف "افضل سرکار" مدظلّہٗ)

گر قبول اُفتد زہے عِزّ و شرف

خاکپائے اولیاء

فقیر ابُوالحسّان قادری قریشی غفرلہٗ

سنجھورو۔ سندھ

پیش لفظ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ کلمۂ طیبہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور تلاوتِ قرآن مجید وغیرہم تمام عبادات کا اصل مقصد و مرجع "یادِ الٰہی" ہی ہے۔ جو عبادت یادِ الٰہی سے خالی ہو، وہ حقیقت میں عبادت ہی نہیں ہے۔ غافل کی عبادت مقبول نہیں ہوتی اور نہ ہی غفلت کی حالت میں عبادت سے کوئی 'ثمر' و 'اجر' حاصل ہوتا ہے۔ "یادِ الٰہی" تمام عبادتوں کا پھل ہے اور اسی پر اجر ہے۔ لہٰذا ہر حال میں، ہر حالت میں، ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں رہنی چاہیئے۔ اسی میں ہماری بھلائی ہے۔ اللہ کی یاد جس مومن کے دل میں جاگزیں ہو وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کا نافرمان نہیں ہو سکتا بلکہ ہر امر میں اللہ کا مطیع ہوگا۔ شرعِ مطہرہ کا پابند ہوگا۔ اللہ کی اطاعت ہی یادِ الٰہی ہے۔ ہادیٔ برحق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلّم کا ارشاد ہے: "جس نے اللہ کی اطاعت کی تو حقیقت میں اُس نے اللہ کی یاد کی خواہ اس کی (نفلی) نمازیں، اس کے (نفلی) روزے اور قرآن کی تلاوت کم ہو اور جس نے اللہ

کی نافرمانی کی وہ اللہ کو بھول گیا خواہ اُس کی نمازیں، روزے اور قرآن کی تلاوت زیادہ ہو۔" اس ارشادِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے واضح ہوا کہ ذکر کی "رُوح" طاعتِ الٰہی ہے۔ ذکر کی صحت اس پر موقوف ہے کہ ذاکر احکاماتِ خُدا اور رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند ہو اور اوامر کی تعمیل کرے، نواہی سے مجتنب رہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو صرف زبانی ذکر ہوگا جو حقیقت سے بعید ہوگا ؎

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر این چنیں تسبیح کے دارد اثر

زبان سے ذکر کرتے رہنا اور گناہوں سے باز نہ رہنا صریحاً فریب کاری ہے۔

؎ سبحہ در کف توبہ بر لب دل پُر از ذوقِ گناہ
مغفرت راخندہ مے آید بر استغفارِ ما

اللہ عزّوجلّ کا ارشاد ہے۔ فَاذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِى وَلَا تَكْفُرُونِ ۝ "تم میری یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا اور تم میرا شکر بجالاؤ اور ناشکری نہ کرو۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میری اطاعت کے ساتھ میرا ذکر کرو (یعنی عبادت کی شکل میں میرے فرمانبردار رہ کر) میں اپنی مدد سے تم کو یاد کروں گا۔"

حضرت سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم میری طاعت کی صُورت میں میری یاد کرو۔ میں مغفرت میں تم کو فراموش نہیں کروں گا۔"

حضرت فُضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس فرمانِ الٰہی کا یہ مطلب

بیان فرمایا۔ "تم میری طاعت کے ساتھ میرا ذکر کرو۔ میں اپنے ثواب سے تمہیں فراموش نہیں کروں گا۔"

کثرتِ ذکر سے ذاکر کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبّت بڑھتی اور مستحکم ہوتی ہے اور ذاکر مقامِ ولایت تک پہنچتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ ذاکر متّبعِ شریعت ہو، سُنّتِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پابند ہو۔ صراطِ مستقیم پر چلتا ہوا ذکر کرے۔ اِسی راہ پر "وصولِ الی اللہ" ممکن ہے۔ یہی وہ راہ ہے جس کا منتہیٰ "اللہ" ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے۔ "اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ بے شک اِس سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے۔" یہی وہ راہ ہے جس کا مخالف بددین گمراہ ہے۔ نیز قرآن فرماتا ہے۔ "وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔" شروع رکوع سے احکامِ شریعت بیان کر کے فرمایا۔ "اور اے محبوب! تم فرمادو کہ یہ شریعت میری سیدھی راہ ہے تو اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ وہ تمہیں خُدا کی راہ سے جُدا کر دیں گے، اللہ تعالیٰ اس کی تاکید فرماتا ہے تاکہ تم پرہیز گاری کرو۔" قرآن نے صاف فرمادیا کہ شریعت ہی وہ سیدھی راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے۔ اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اس کی راہ سے دُور پڑے گا۔ لاجرم ضرور ہوا کہ طریقت یہی شریعت ہے، اِسی راہِ روشن کا ٹکڑا ہے۔ اس کا اس سے جُدا ہونا محال و نامزا ہے جو طریقت کو شریعت سے جُدا جانتا ہے، اسے راہِ خُدا سے توڑ کر راہِ ابلیس مانتا ہے، مگر حاشا طریقتِ حقّہ راہِ ابلیس نہیں، قطعاً راہِ خُدا ہے تو یقیناً وہ

شریعتِ مطہرّہ ہی کا ٹکڑا ہے۔ طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کے اتّباع کا صدقہ ہے، ورنہ بے اتّباعِ شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سنیاسیوں کو ہوتے ہیں پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں؟ اِسی نارِ جحیم و عذابِ الیم تک پہنچاتے ہیں۔

کرامت بمعنے خارق عادت کا محقّق اولیاء کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں کیونکہ اس کا ظہور ریاضت کرنے والے کافر سادھوؤں سے بھی ممکن ہے۔ جو شخص شرعِ محمّدی کے ذرا خلاف چلے وہ گمراہ ہے۔ مکاشفہ و کرامت ولایت کی دلیل نہیں۔ حضور پُر نُور غوثِ اعظم محی الدین سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدسنا اللہ باسرارہٖ العزیز فرماتے ہیں:

"غیرِ خُدا کو موجود نہ دیکھنا اس کے ساتھ ہو تو اُس کی باندھی ہوئی حدوں سے کبھی جُدا نہ ہو اور اس کے ساتھ اَمر و نہی کی حفاظت کرے اگر حدودِ شریعت سے کسی حد میں خلل آیا تو جان لے کہ تُو فتنہ میں پڑا ہوا ہے، بے شک شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے۔ تُو فوراً حکمِ شریعت کی طرف پلٹ آ اور اس سے لپٹ جا اور اپنی خواہشِ نفسانی چھوڑ اس لئے کہ جس حقیقت کی شریعت تصدیق نہ فرمائے وہ حقیقت باطل ہے۔"

(طبقاتُ الاولیاء، جلد اوّل مطبع مصر صا۱۳)

نیز فرماتے ہیں: "ولایت پرتوِ نبوّت ہے اور نبوّت پرتوِ اُلوہیّت۔ اور ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا فعل نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قول کے قانون پر ٹھیک اُترے۔"

لیکن جاہل۔ بے دین۔ بناوٹی۔ فریب کار۔ نام نہاد پیر فقیر مداری

کی طرح شعبدہ بازی، تماشہ دکھانے کو ولایت سمجھتے، کہتے اور بتاتے ہیں۔
لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ط

حضرت سیدنا شیخ بایزید بسطامی قدسنا اللہ باسرارہٖ العزیز فرماتے ہیں۔ "اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ایسی کرامت دیا گیا کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض، واجب، مکروہ وحرام اور محافظتِ حُدود و آدابِ شریعت میں اُس کا حال کیسا ہے؟" (رسالہ قشیریہ ص۱۸) واضح رہے کہ ذکرِ حق سے شیطانی وساوس دُور ہوتے ہیں نہ یہ کہ ذکر کا مدّعی خود وَساوسِ شیطانی کا شکار ہو اور دوسروں کو بھی کرے۔

حضرت سیدنا شیخ احمد مجدّد الف ثانی سرہندی قدّسنا اللہ باسرارہٖ العزیز فرماتے ہیں: "الدّنیا ملعونۃ وملعون ما فیہا الاّ ذکر اللہ۔ (صحیح ترمذی وابن ماجہ) دُنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر۔" جب کہ ذاکر لوگ بلکہ ان کے ذرّاتِ وجود کا ہر ذرّہ اللہ سُبحانہٗ کے ذکر سے پُر ہے تو حق تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اس وعید (ڈانٹ) سے خارج ہیں اور اہلِ دُنیا میں شمار نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ دُنیا اس چیز کا نام ہے جو دل کو حق سبحانہٗ سے روکے اور غیر اللہ سے مشغول کرے۔ وہ چیز مال واسباب کے قبیلہ سے ہو خواہ مرتبہ اور سرداری کی طلب اور خواہ ننگ و ناموس ہو۔ " فاعرض عمّن تولّٰی عن ذکرنا۔ اُس شخص سے رُوگردانی کرو جو ہمارے ذکر سے پھر چکا ہو۔" نصّ قطعی ہے۔ دُنیا کی ہر چیز بلائے جان ہے۔ دُنیا دار دُنیا میں تو ہمیشہ تفرقہ اور پراگندگی کا شکار رہتے ہیں اور آخرت میں ندامت اور حسرت کرنے والے گروہ میں ہوں گے۔ دُنیا کے

ترک کی حقیقت اس کی طرف رغبت کو ترک کرنا ہے اور ترکِ رغبت اُس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ دُنیا کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جائے اور اس معنیٰ کا حصول اربابِ جمعیّت (اولیاء اللہ) کی صحبت کے بغیر مشکل اور دشوار ہے۔ ان بزرگوں کی صحبت اگر میسّر ہو تو اسے غنیمت جاننا چاہیئے اور اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دینا چاہیئے۔" (مکتوب ۱۹۷ ۔ مکتوبات مجدّد الف ثانی سرہندی ۔ دفتر اوّل، حصہ سوم)

نیز ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت محمّد مُصطفےٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی کمال متابعت سے مشرّف فرمائے کیونکہ صدّیقین کی اصلی غرض اور مقصود یہی ہے اور اس کے سوا سب کچھ جھُوٹے وہم اور بیہودہ خیالات ہیں، حق تعالیٰ آپ کو اور ہم کو ان سے بچائے۔ والسّلام علیٰ من اتبع الھُدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہِ الصّلوات والتسلیمات دائما ۔ اور سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمّد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوات والسّلام کی متابعت کو لازم پکڑا۔" (مکتوب ۲۰۵ ۔ دفتر اوّل حصہ سوم)

فقیر ابوالحسّان حکیم حاجی محمّد رمضان علی قادری غفرلہٗ

حصّہ اوّل

ذِکرُ اللہ جلّ جلالہٗ

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ؕ امّابعد۔ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ : فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ وَاشۡکُرُوۡا لِیۡ وَ لَا تَکۡفُرُوۡنِ ○ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "تم مجھے یاد کرو میں تمہارا چرچا کرونگا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو" (پ ۲ ع ۲)

ذکر کے معنیٰ : یاد کرنا۔ یاد رکھنا۔ تذکرہ و چرچا کرنا۔

ذکر کی تین قسمیں ہیں: (۱) ذکرِ لسانی۔ (۲) ذکرِ قلبی۔ (۳) ذکر بالجوارح

(۱) ذکرِ لسانی۔ زبان سے۔ اسمِ ذات "اللہ" کا ذکر۔ ذکرِ صفاتِ الٰہی۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا ذکر کرنا۔ تسبیح، تقدیس، ثناء وغیرہ بیان کرنا۔ خطبہ۔ توبہ۔ استغفار۔ دُعا وغیرہ اس میں شامل ہیں۔

(۲) ذکرِ قلبی۔ دل سے اللہ کا ذکر کرنا کہ دل ذاکر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا یاد کرنا۔ اُس کی عظمت و کبریائی اور اُس کے دلائلِ قدرت میں غور کرنا۔ علماء کا استنباط مسائل میں غور کرنا۔ قرآن و حدیث سے فقہی مسائل اخذ کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔

(۳) ذکر بالجوارح۔ اعضاءِ جسم سے ذکر۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج کرنا اور

اعضاء و جوارح کو طاعتِ الٰہی میں مصروف رکھنا اوامر کی تعمیل کرنا اور نواہی سے باز رہنا۔ نماز تینوں قسم کے ذکر پر مشتمل ہے۔ تکبیر و تسبیح، ثناء، قرأت تو ذکرِ لسانی ہے اور خشوع و خضوع اخلاص ذکرِ قلبی اور قیام، رکوع، سجود، قعدہ وغیرہ ذکر بالجوارح ہے۔

ذکر اللہ، بالواسطہ بھی ہوتا ہے اور بلا واسطہ بھی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر و تذکرہ، ذات و صفاتِ الٰہی میں غور و فکر اور تلاوتِ قرآن مجید بلاواسطہ ذکر ہے اور محبوبانِ خُدا کا محبّت، تعظیم و تکریم سے تذکرہ کرنا۔ اس کے دشمنوں کی مذمّت کرنا بالواسطہ ذکر ہے۔ اس لئے کہ قرآن سارا ذکر اللہ ہے مگر کہیں ذات و صفات کا تذکرہ ہے کہیں سرکارِ دوعالم محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اوصاف و محامد، انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء کرام کا ذکر مذکور ہے؛ اور کہیں کفّار و منافقین کا ذکر اور کہیں اولیاء و انبیاء کے دشمنوں کی مذمّت ہے۔ یہ بھی ذکر بالواسطہ ہے کہ دُنیا کی کسی چیز میں حسُن و جمال اور کوئی خوبی و کمال دیکھ کر اس کی تعریف و توصیف کی جائے یا کسی کے حُسنِ اخلاق اور عُمدہ صفات کا تذکرہ ہے مگر یہ بھی حقیقتاً ذکرِ الٰہی ہے کہ تمام مخلوق کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اشیاء میں ہر حُسن و جمال اور خوبی و کمال پیدا کرنے والا اور کسی کو حُسنِ اخلاق کی نعمت دینے اور عمدہ صفات سے نوازنے والا بھی وہی ہے۔ ساری مخلوق اسی کے صفات کی مظہر ہے۔ تمام اشیاء میں اسی کے حُسن و جمال کی جلوہ گری ہے۔ لہٰذا جس چیز یا کسی کی بھی تعریف کی جائے وہ بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوگی اور اُسی کا ذکر۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ "سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو جو مالک سارے جہان والوں

کا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تم طاعت بجالا کر مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں اپنی امداد کے ساتھ یاد کروں گا۔" صحیحین کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اگر بندہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو ایسے ہی یاد فرماتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اسکو اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں"۔

قال اللہ عزّ وجلّ: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيٰتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ ۝ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ (پ ۹ ع ۱۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے (تو اس کی عظمت و جلال سے) ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان پر اسکی آیتیں پڑھی جائیں ان کا ایمان ترقی پائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں (اور اپنے تمام کاموں کو اس کے سپرد کر دیں) وہ جو نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئے سے ہماری راہ میں خرچ کریں یہی سچے مسلمان ہیں۔ اُن کے لئے درجے ہیں اُنکے رب کے پاس (بقدر ان کے اعمال کے کیونکہ مومنین کے احوال ان اوصاف میں متفاوت ہیں اس لئے ان کے مراتب بھی جُداگانہ ہیں) اور بخشش ہے اور عزّت کی روزی"۔

قال اللہ عزّ وجلّ: وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ ؕ (پ ۲۱ ع ۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "بے شک اللہ کا ذکر سب سے بڑا" کہ وہ افضلِ طاعات ہے۔ ترمذی

شریف کی حدیث میں ہے کہ سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "کیا میں تمہیں نہ بتاؤں وہ عمل جو تمہارے اعمال میں بہتر اور رب کے نزدیک پاکیزہ تر، نہایت بلند رُتبہ اور تمہارے لئے سونا چاندی دینے (خیرات کرنے) سے بہتر اور جہاد میں لڑنے اور مارے جانے سے بہتر ہے"۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے عرض کی۔ "بے شک یارسُول اللہ"۔ فرمایا۔ "وہ اللہ کا ذکر ہے"۔ ترمذی ہی کی دوسری حدیث میں ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے دریافت کیا تھا کہ "روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کن بندوں کا درجہ افضل ہے؟" فرمایا۔ "بکثرت ذکر کرنے والوں کا"۔ صحابہ نے عرض کی۔ "اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا"۔ فرمایا۔ "اگر وہ اپنی تلوار سے کفّار و مشرکین کو یہاں تک مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون میں رنگ جائے جب بھی ذاکرین ہی کا درجہ اس سے بلند ہے"۔

قال اللہ عزّ وجلّ : قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝ (پ ۱۳ ع ۱۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "اے محبوب تم فرماؤ۔ بے شک اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے (کہ وہ آیات و معجزات نازل ہونے کے بعد بھی یہ کہتا رہتا ہے کہ کوئی نشانی کیوں نہیں اُتری۔ کوئی معجزہ کیوں نہیں آیا۔ معجزاتِ کثیرہ کے باوجود گمراہ رہتا ہے) اور اپنی راہ اسے دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع لائے۔ وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں۔ سُن لو اللہ کی یاد

ہی میں دلوں کا چین ہے (اس کی رحمت و فضل اور احسان و کرم کو یاد کر کے بیقرار دلوں کو قرار و اطمینان حاصل ہوتا ہے) وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اُن کو خوشی ہے اور اچھا انجام۔ طوبیٰ بشارت ہے راحت و نعمت و رحمت او خُرّمی و خوشحالی کی۔"

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "طُوبیٰ" زبانِ حبشی میں جنّت کا نام ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے کہ "طُوبیٰ" جنّت کے ایک درخت کا نام ہے جس کا سایہ ہر جنّت میں پہنچے گا۔ یہ درخت جنّتِ عدن میں ہے اور اس کی اصل (جڑھ) سیدِ عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ایوانِ معلیٰ میں اور اس کی شاخیں جنّت کے غرفہ اور قصر میں اس میں سوا سیاہی کے ہر قسم کے رنگ اور خوش نمائیاں ہیں۔ ہر طرح کے پھل اور میوے اس میں پھلے ہیں اس کی جڑھ سے کافور سلسبیل کی نہریں رواں ہیں۔

قال اللہ عزّوجلّ: فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (پ ۲۳ ع ۱۷) اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "تو خرابی ہے اُنکے لئے جن کے دل یادِ خدا کی طرف سے سخت ہو گئے ہیں وہ کھُلی گمراہی میں ہیں۔"

نفس جب خبیث ہوتا ہے تو قبولِ حق سے اُس کو بہت دُوری ہو جاتی ہے اور ذکر اللہ کے سننے سے اس کی سختی اور کدورت بڑھتی ہے، جیسے کہ آفتاب کی گرمی سے موم نرم ہوتا ہے اور نمک سخت ہوتا ہے۔ ایسے ہی ذکر اللہ سے مومنین کے قلوب نرم ہوتے ہیں اور کافروں کے دِلوں کی سختی اور بڑھتی ہے۔

فائدہ: اِس آیت سے اُن لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیئے جنہوں نے ذکر اللہ کو روکنا اپنا شعار بنالیا ہے۔ وہ صوفیوں کے ذکر کو بھی منع کرتے ہیں۔

نمازوں کے بعد ذکر اللہ کرنے والوں کو بھی روکتے اور منع کرتے ہیں۔ ایصالِ ثواب کے لئے قرآن کریم اور کلمہ پڑھنے والوں کو بھی بدعتی بتاتے ہیں اور ان ذکر کی محفلوں سے نہایت گھبراتے ہیں اور بھاگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ (خزائن العرفان)

قال اللہ عزّوجلّ : وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (پ ۲۸ ع ۱۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔ "اور اللہ کو بہت یاد کرو اِس اُمید پر کہ فلاح پاؤ۔" ذکرِ کثیر سے مُراد یہ ہے کہ بندہ کسی حال میں رب کو نہ بھُولے۔ خلوص سے عبادت کرے۔ خلق سے مستغنی رہے۔ ذات وصفاتِ الٰہی میں غور وفکر کرتا رہے، جو چیز خُدا سے دُور اور غافل کرے اُس سے دُور رہے، اللہ کے ذکر میں ایسی لذت پائے جو اور کسی چیز میں نہ پائے۔ اللہ عزّوجلّ نے فرمایا۔ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا۔ تمام غیر اللہ سے کٹ کر یکسو ہو کر اللہ کے ہو جاؤ۔ بندہ ہمہ وقت ذکر میں مستغرق رہے۔

ذکر حضوریٔ قلب کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ ذکر کرتے ہوئے غفلت سے دُور رہے کہ الغفلة فی الذکر اشدّ من غفلة عن الذکر۔ حالتِ ذکر میں غفلت، ذکر سے غفلت سے زیادہ بُری ہے۔ زبان اور دل کو ذکر اور معنیٔ ذکر سے خالی نہ رکھے۔ کچھ مدّت اس طرح ذکر کرنے سے دل میں ذکر سرایت کر جائے گا، اور پھر اگر اس پر مواظبت کرے گا تو قلب بھی ذاکر ہو جائے گا اور اس کے بعد کثرتِ ذکر کی تاثیر سے دل بھی ذکر سے گذر کر معنیٔ ذکر میں محو ہو جائے گا معنیٔ ذکر اس طرح دل پر غالب آجائے گا کہ ہر وقت ہر حال میں ذکرِ قلبی جاری رہے گا۔

ایسا ذکر جس میں حرف اور صوت کا دخل نہیں۔ حرف اور صوت کا ذکر پوست ہے۔ اس شجر کا عین نہیں ہے۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ ○ تُؤْتِىْٓ

اَکُلُھَا کُلَّ حِیۡنٍۭ بِاِذۡنِ رَبِّھَا۔ (پ ۱۳ ع ۱۶) "کیا تم نے نہ دیکھا اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی پاکیزہ بات کی (یعنی کلمۂ توحید کی) جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں اپنا پھل دیتی ہیں اپنے رب کے حکم سے"۔ ایسے ہی کلمہ ایمان ہے کہ اس کی جڑ قلبِ مومن کی زمین میں ثابت اور مضبوط ہوتی ہے اور اس کی شاخیں یعنی عمل آسمان میں پہنچتے ہیں اور اسکے ثمرات برکت و ثواب ہر وقت حاصل ہوتے ہیں۔

نہایت حال میں سُلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدسنا اللہ باسرارہٗ العزیز سے لوگوں نے پوچھا "کیا وجہ ہے کہ ہم آپ کی زبان سے ذکر نہیں سُنتے"؟ فرمایا "زبان بھی بے گانہ ہے درمیان میں اس کی گنجائش نہیں ہے"۔

حضرت واسطی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز نے فرمایا: "حقیقتِ ذکر نسیانِ ذکر ہے اور قیام بہ مذکور"۔ حلقہ میں بیٹھ کر ذکر کرنا سنّتِ مشائخ ہے۔ اگر جماعت کو جمع کر کے ان سے مل کر ذکر کیا جائے تو بیحد مفید اور مستحسن ہے۔ ذکرِ الٰہی سے غافل رہنا، اللہ تعالیٰ کی یاد کو بھلا دینا خسران و محرومی کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِسۡتَحۡوَذَ عَلَیۡھِمُ الشَّیۡطٰنُ فَاَنۡسٰھُمۡ ذِکۡرَ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ الشَّیۡطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ الشَّیۡطٰنِ ھُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۝ (پ ۲۸ ع ۳) "اُن پر شیطان غالب آگیا تو انہیں اللہ کی یاد بھلا دی وہ شیطان کے گروہ ہیں سنتا ہے؟ بے شک شیطان ہی کا گروہ خسارہ (ہار) میں ہے"۔ کہ جنّت کی دائمی نعمتوں سے محروم اور جہنّم کے عذاب میں گرفتار۔ ذکرِ الٰہی دُنیا و آخرت میں کامیابی و سُرخروئی کا موجب ہے۔ ذکر اللہ سے قرب و وصالِ الٰہی حاصل ہوتا ہے مگر واضح رہے کہ تقرب الی اللہ سے قربِ مکانی مراد نہیں بلکہ قبولیّت کا قرب مراد

ہے۔ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے۔ مردود دُور ہے۔ محبوب درحضور ہے ؎

گر تو خواہی در دو عالم آبرو ذکرِ اُو کُن، ذکرِ اُو کُن، ذکرِ اُو
ہر گدا را ذکرِ اُو سُلطاں کند ذکرِ اُو در دو جہاں شاداں کند

اگر تُو دنیا و آخرت میں آبرو چاہتا ہے تو اُس کا ذکر کر۔ اُس کا ذکر کر۔ اُس کا ذکر کر۔ اُس کا ذکر ہر بھکاری کو سُلطان بنا دیتا ہے۔ اُس کا ذکر دو جہاں میں خوشی و مسرّت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

حضرت استاذ المحدثین قبلہ شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں۔ "جُملہ علوم کا لبِّ لباب اور تمام عبادات کا اصل مقصود واصل باللہ ہونا ہے اور چونکہ بندہ کمالِ حالتِ نقصان میں ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ نہایت باکمال و پاکیزہ ہے۔ پس ناقص کا اکمل تک رسائی حاصل کرنا ممکن نہیں سوائے اس کے کہ اسمائے الٰہی کا ذکر کرے۔ اسمائے الٰہی کے ذکر کے ذریعہ خود میں صفاتِ کمالیت و پاکیزگی حاصل کرے۔ اسم "اللہ" سے اس طرح چمٹا رہے اور اس کی یاد میں ایسا مشغول و مستغرق ہو جائے کہ خود کو فنا کر دے اور اُس مقام تک پہنچ جائے کہ ذکر، ذاکر اور مذکور ایک ہو جائے اور دوئی درمیان سے اُٹھ جائے۔" (تفسیر فتح العزیز، پ الٓمٓ)

عارف باللہ مولانا رومی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں ؎

چونکہ باہم متصل گردید جاں ذکر آں اینست و اینست ذکرِ آں

جب بندہ واصل باللہ ہو گیا تو بندہ کی تعریف، اللہ کی تعریف اور اللہ کی تعریف کہ اُس نے اِس بندہ کو کیا شان عطا فرمائی، یہ بندہ کی تعریف ہے ؎

تُو او نہ شوی ولے گر جہد کنی جائے برسی کز تو دُوئی برخیزد

اے بندے! تو وہ (یعنی خُدا) نہیں بن جائے گا لیکن اگر تو ذکر و فکر اور مجاہدہ کرے تو اُس مقام تک پہنچ جائے گا کہ تجھ سے دوئی اُٹھ جائے گی یعنی فنا فی اللہ ہو کر بقا باللہ کی منزل پالے گا۔

اگر گردی تو در توحید فانی — زحق یابی بقائے جاودانی
فناً ترک ہوا را نام کردند — بقاً جُملہ صفاتش راشمردند

اگر تو خود کو توحید میں فنا کر دے تو حق تعالیٰ کے فضل و رحمت سے بقائے جاودانی حاصل کرے گا۔ عارفوں نے ترکِ ہوا (خواہشاتِ نفسانی کو چھوڑ دینے) کا نام فنا، رکھا ہے اور اس کی (اللہ تعالیٰ) کی صفات (کمالیت و پاکیزگی کے حصول) کو بقا، شمار کیا ہے۔

محبوبِ سُبحانی، قطب ربّانی، محی الدین سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں: "اے سالک! اپنے نفس کی خواہش اور اس کی متابعت سے باہر نکل اور اس سے علیحدہ ہو جا اور اپنی ذات کی بادشاہی سے بیگانہ ہو جا (یعنی جہاں تیرا نفس حکمرانی کرتا ہے وہاں سے کنارہ کر) اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ پس تو اپنے دل کے دروازہ پر اللہ تعالیٰ کا چوکیدار بن جا۔ اور جس شے کے (دل میں) داخل کرنے کا وہ تجھے حکم دے اسے داخل کرنے میں اس کے حکم کی تعمیل کر اور جس شے کے روکنے کا وہ تجھے حکم دے تو اسے روکنے میں اس کا حکم مان اور خواہشِ نفسانی کے نکل جانے کے بعد اُسے اپنے دل میں داخل نہ کر۔ دل سے خواہشِ نفسانی کا نکال دینا یہ ہے کہ ہر حال میں اس (نفس) کی مخالفت کی جائے اور اسکی پیروی کو ترک کر دیا جائے اور دل میں اِن (خواہشاتِ نفسانی) کا داخل کرنا یہ

ہے کہ اس کی پیروی اور موافقت کی جائے۔ اس کی مخلوقات میں سے کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہرا۔ پس تیرا ارادہ، تیری حرص وہوا اور تیری خواہشات سب کی سب اس کی مخلوق ہیں۔ پس تُو نہ کچھ ارادہ کر، نہ لالچ کر اور نہ کوئی (نفسانی) خواہش رکھ تاکہ تو مُشرک نہ بن جائے۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ (پ ۱۶ ع ۳) "تو جسے اپنے رَب سے ملنے کی اُمید ہو اُسے چاہیئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رَب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے"۔ محض بتوں کی پُوجا ہی شرک نہیں بلکہ شرک یہ بھی ہے کہ تُو اپنی خواہشات وہَوا وہوس کی پیروی کرے اور اپنے پروردگار کے ساتھ دُنیا و مافیہا سے اور آخرت ومافیہا سے اُس (پروردگار) کے علاوہ کسی بھی چیز کو چُن لے اور پسند کرلے تو خداوند تعالیٰ کے بغیر جو کچھ بھی ہے وہ خدا نہیں اور جب تو غیر اللہ کی طرف جُھک گیا تو بے شک تُو نے غیر اللہ کو اس کے ساتھ شریک کر دیا۔ (فتوح الغیب)

ماسواحق کے جو ہے دل میں خیال
بُت سے وہ کچھ کم نہیں اے بد خصال

دل یکے خانہ ایست ربّانی
خانۂ دیو را چہ دل خوانی؟

دل ایک وہ گھر ہے جو صفات وتجلّیاتِ ربّانی کا مقام ہے۔ قلب المؤمن عرش اللہ تعالیٰ۔ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "میں زمین و آسمان (کی وسعتوں) میں نہیں سماتا لیکن مومن کے قلب میں سما جاتا ہوں"۔ پس دل کہلانے کا مستحق وہی دل ہے جو خانۂ ربّانی ہے لیکن جو دل شیطان کا مسکن ہو اس کو "دل" کہنا ہی

غلط ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہ لاینظر الی اجسادکم ولا الی صُورکم ولاکن ینظر الی قلوبکم واشار باصابعہٖ الی صدرہٖ۔ (مسلم شریف صفحہ ۳۱۷ جلد دوم) بلاشبہ اللہ تمہارے جسموں اور تمہاری صُورتوں کو نہیں دیکھتا ولیکن وہ تمہارے دِلوں کو دیکھتا ہے" اور یہ فرماتے ہوئے حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام نے اپنی انگلیوں سے اپنے سینۂ مُبارک کی طرف اشارہ فرمایا یعنی دل کے مقام کی نشاندہی فرمائی۔ پس اگر قلب ہَوا و ہوس وخیالاتِ فاسدہ اور حُبِّ دُنیا سے پاک ہے تو عرشِ الٰہی ہے ورنہ بُت خانہ ہے ؎

اگر تو زندگی خواہی دل از جان وجہاں بگسل
نہ یابی زندگی تا تو زبہرِ این وآں میری

اگر تُو حقیقی زندگی چاہتا ہے تو جان وجہان کے تعلقات سے دل کو توڑ لے، جان وجہان سے بے نیاز ہوجا۔ جب تک تو کبھی اِس کے لئے اور کبھی اُس کے لئے (ماسوِیٰ اللہ کے لئے) مرتا رہے گا حقیقی زندگی نہ پاسکے گا۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "اُس شخص کی مثال جو (اللہ تعالیٰ کا) ذکر کرتا ہے اور اُس شخص کی مثال جو ذکر نہیں کرتا زندہ اور مُردہ کی مثال ہے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تخلقوا باخلاق اللّٰہ یعنی تم اخلاقِ الٰہی، اوصافِ ربّانی زیادہ سے زیادہ اپنے اندر جذب کرلینے کی کوشش کرو"۔ اس کے تحت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "جب مومن نفس امّارہ کی سرکوبی کرلیتا اور صفاتِ رذیلہ سے مبرّا ہوجاتا ہے اور آئینۂ دل کو ذکرِ الٰہی سے صیقل کرلیتا ہے تو صفاتِ بشریّہ سے نکل کر

متصف بصفات اللہ ہوجاتا ہے۔ اللہ خلقکم وما تعملون جو کچھ افعال وغیرہ سے ظہور میں آتا ہے من جانب اللہ ہوتا ہے۔ پس تدبیر اس تخلّق کی مجاہدہ ہے وَالَّذِیْنَ جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ حتّٰی کہ جس طرح لوہا آگ میں تپ کر آگ کے خواص اپنے اندر جذب کرلیتا ہے اُسی طرح مومن مجاہدہ سے صفاتِ الٰہی کا مظہرِ کامل بن جاتا ہے۔" (امداد المشتاق)

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں "صُوفی کا دل جو ہمیشہ متوجہ الی اللہ ہوتا ہے اور ذکر قلبی ولسانی میں مصروف رہتا ہے اب وہ ذکرِ ذات کی طرف توجّہ کرتا ہے (اس کو ذکرِ ذات کی طرف ترقّی ہوتی ہے) اُس وقت وہ عرش الٰہی کی مانند ہوجاتا ہے یعنی جس طرح عرش اس عالَم میں خلق وحکمت میں قلب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح قلبِ ذاکر عالَمِ امر وقدرت کا عرش بن جاتا ہے۔" حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قلب عرش کے مشابہ اور ذاکر کا سینہ کُرسی کے مانند ہے۔" حدیثِ قدسی ہے "زمین وآسمان مجھے اپنے اندر نہیں سما سکتے لیکن بندۂ مومن کے دل میں میری گنجائش ہے اُس کا دل مجھے اپنے اندر سما سکتا ہے۔" جب قلب ذکرِ ذات سے نُورانی اور نُور آگیں اور ہوائے قُرب سے بحرِ موّاج (ٹھاٹھیں مارتا سمندر) بن جاتا ہے تو اُس وقت اخلاقِ حسنہ صفاتِ نفس کی نہروں میں بہنے لگتے ہیں (یعنی صفاتِ نفس اخلاقِ حسنہ میں تبدیل ہوجاتے ہیں) اور اُس وقت اخلاقِ الٰہی سے تخلّق ثابت ہوجاتا ہے۔ (یعنی اخلاقِ الٰہی اس میں ثابت وراسخ ہوجاتے ہیں)۔ شیخ ابوالقاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) اسمائے حسنہ، سالکِ طریقت

کے اوصاف بن جاتے ہیں اگرچہ سلوک کی منزل میں ہو اور واصل بحق نہ ہوا ہو۔
شیخ ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ بندۂ سالک ہر اسمِ
خداوندی سے ایک صفت کا حامل بن جاتا ہے جو بشری کمزوریوں اور انسانی
کوتاہیوں کے مناسب حال ہوتی ہیں (یعنی بشریت جس کی متحمل ہوسکتی ہے)
مثلاً وہ اللہ تعالیٰ کے اسم صفاتی "الرحیم" سے رحم کرنے کی صفت یا وصف بقدرِ
طاقت بشری اختیار کرسکتا ہے۔ مشائخ کرام اور صوفیائے عظام نے اسماء و
صفات کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اور جو علوم تصوّف میں سب سے زیادہ بلند پایہ
اور اہم ہیں اور ان کے نادر علوم کا ایک حصّہ ہیں وہ اسی کے مُطابق ہے جیسا کہ
ہم ابھی کہہ چکے ہیں (صوفیائے کرام نے اس کی تشریح اسی طرح کی ہے جس طرح
ہم نے صراحت کی ہے) اگر کوئی اس سے حلولِ خداوندی کا ذرّہ بھر بھی خیال کرتا
ہے (جیسا کہ فرقہ حلولیہ کے عقائد ہیں) تو وہ زندیق اور الحاد کا علمبردار ہے —
اخلاقِ خداوندی سے تخلّق پیدا کرنے میں یا ہونے میں بقدرِ طاقت بشری کی قید
سے نظریۂ حلول باطل ہو جاتا ہے۔ (عوارف المعارف)

کثرتِ ذکر سے ذاکر کے قلب پر انوارِ الٰہیّہ کا نزول ہوتا ہے اور رُوح منوّر
ہوتی ہے، اسمائے الٰہیہ میں سے جس اسم کا ذکر بکثرت کیا جائے گا اُسی اسم کی
صفاتی تجلّیات ذاکر کے قلب و رُوح پر منعکس ہونگی جس اسم الٰہی کا ذکر کثرت اور
مداومت کے ساتھ کیا جائے اس اسم کی صفات و برکات ذاکر کے باطن میں
رفتہ رفتہ سرایت کرتی چلی جاتی ہیں اور ذاکر کے قلب و باطن پر اسم مذکور کے خواص
و اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں حتیٰ کہ ذاتِ ذاکر اسمِ مذکور کے خواص و برکات و
اثرات کی مَظہر اور مُظہر بن جاتی ہے۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ بندے کو جو

حاجت ہو اُسی نسبت سے اسمِ الٰہی کا وِرد کرے اور ذکر کرتے وقت اسم سے پہلے حرفِ ندائیہ "یا" کہے مثلاً بیمار شفا کا طالب اسم شافی کا ورد کرے یَاشَافِیُ کہہ کر۔ مغفرت کا طلبگار یَاغَفَّارُ۔ بدکار پکارے یَاسَتَّارُ۔ رزق کی وسعت کے لئے یارَزَّاقُ۔ دُنیوی و اُخروی نعمتوں کے حصول کے لئے یاوَہَّابُ۔ عزّت و دولت کا طلبگار یامُعِزُّ۔ دُعاؤں کی مقبولیّت کے لئے یامُجِیْبُ۔ بگڑے کام سنوارنے کے لئے یاوَکِیْلُ۔ دشمنوں، بدخواہوں کے خوف سے نجات پانے، تمام حاجات کی تکمیل اور آفتوں سے محفوظ اور تمام مخلوق سے بے نیاز ہو جانے کی تمنّا ہو تو یاصَمَدُ کا بکثرت وِرد کرے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز نے فرمایا: "اِس اسم کی تجلّی جس پر پڑ جائے وہ کونین سے بے نیاز ہو جاتا ہے"۔ ظالموں کے ظلم سے بچنے کے لئے یامُقْسِطُ کا بکثرت ورد کرے۔ وقس علیٰ ذالک۔

دُعا بتوسّل اسماءِ الٰہیّہ باعثِ اجابت ہے

عن بُرَیْدَۃ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سمع رجلا یقول۔ اَللّٰھم انّی اسئلک بانّک انت اللہ لا الٰہ اِلاَّ انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ کفوا احد فقال دعی اللہ باسمہ الاعظم الذی اذا سئل بہٖ اعطیٰ واذ دعی بہٖ اجاب۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اِس لئے کہ تُو

معبود ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' ایک ہے' جس نے نہ جنا اور نہ جنا گیا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔ (یعنی یا مولیٰ تیرے ناموں کے توسّل و وسیلہ سے دعا مانگ رہا ہوں' ان ناموں کے صدقے سے میری سُن لے۔ یہ دعا مانگنے والے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ' تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وسیلہ کے ساتھ دُعا کرنا بہتر ہے اور باعثِ اجابت کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اُس نے اللہ کے اسمِ اعظم کے ساتھ دُعا کی ہے' جب اسم اعظم سے مانگا جائے تو (اللہ تعالیٰ) عطا فرماتا ہے اور جب اس نام سے دُعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے۔

وعن انس قال کنت جالسًا مع النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم فی المسجد ورجل یُصلّی فقال اللّٰھُمّ انّی اسئلك باَنّ لك الحمد لا الٰہ اِلاّ انت الحنّان المنّان بدیع السمٰوٰت والارض یاذا الجلال والاکرام یا حیّ یا قیّوم اسئلك فقال النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم دعا اللہ باسمہِ الاعظم الذی اذا دُعیَ بہٖ اجاب واذا سئل بہٖ اعطیٰ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "میں مسجد میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو ہی لائق تعریف ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تُو مہربان نعمتیں دینے والا ہے آسمانوں اور زمین کا موجد ہے' اے جلالت و کرم والے' اے زندہ اے قائم رکھنے والے میں تجھ سے مانگتا ہوں۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اُس نے اللہ سے دُعا مانگی ہے اُس کے اسم اعظم سے کہ جب اس نام سے دُعا مانگی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے اور جب اس نام سے

کچھ مانگا جائے تو وہ دیتا ہے"۔ ان دونوں حدیثوں میں اَللّٰھُمَّ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ مشترکہ طور پر موجود ہیں اس لئے بعض عُلماء نے فرمایا کہ ان دونوں میں کوئی نام "اسمِ اعظم" ہے۔ بعض نے فرمایا کہ جُمعہ کی ساعت قبول دُعا اور لیلۃُ القدر کی طرح اسمِ اعظم بھی مخفی ہے تاکہ بندے اس کی تلاش میں رہیں۔ یہ تلاش بھی عبادت ہے۔ (مرآت)

اور حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔ وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اور سُورۃ آلِ عمران کے شروع میں الٓمّٓ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ) اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے فرمایا کہ ربّ تعالیٰ کا اسم اعظم "لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ" ہے کیونکہ ان دونوں آیتوں میں یہی مشترک ہے۔ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ اسمِ اعظم "اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" ہے۔ امام جزری علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ اسمِ اعظم "لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" ہے۔ محدّث حاکم علیہ الرحمۃ نے حضرت عبد اللہ ابن عباس اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ اسم اعظم "رَبِّ رَبِّ" ہے۔ حضرت امام زینُ العابدین رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ اسم اعظم "اَللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ" ہے۔ بعض نے فرمایا۔ کلمۂ طیّبہ اسم اعظم ہے۔ غرضیکہ اسم اعظم کے بارے میں بہت روایات ہیں جنھیں امام جلالُ الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ میں اور علّامہ ملّا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری نے "مرقات شرح مشکوٰۃ" میں جمع فرمایا ہے۔ خیال رہے کہ

اللہ تعالیٰ کے سارے نام عظیم ہیں کوئی ناقص نہیں۔ مگر بعض نام "اعظم" یعنی بہت بڑے ثواب و تاثیر والے ہیں۔ بعض صوفیاء نے فرمایا کہ جو نام خلوصِ دل اور عشق و محبت سے ذکر کیا جائے وہی اسمِ اعظم ہے۔ یہی امام جعفر صادق قدس سرہ العزیز کا قول ہے۔ (مرآت شرح مشکوٰۃ)

ذکر اللہ جملہ عبادات سے افضل و اعلیٰ ہے

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاھا عند ملیککم وارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذھب والورق وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم قالوا بلیٰ قال ذکر اللہ رواہ مالک واحمد والترمذی وابن ماجۃ الا ان مالکا وقفہ علی ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت ابو درداءؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں تمہارے اعمال میں سے بہت اچھا عمل نہ بتادوں جو تمہارے رب کے نزدیک بہت ستھرا اور تمہارے درجات میں بہت بلند درجہ دلانے والا اور تمہارے لئے سونا چاندی خیرات کرنے سے بھی بہتر ہو۔ (وہ عمل بدنی و مالی عبادات سے افضل ہو) اور تمہارے لئے اس سے بھی بہتر ہو کہ تم دشمن سے جہاد کرو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہیں شہید کریں۔ صحابہ نے عرض کی "ہاں"۔ فرمایا: وہ عمل اللہ کا ذکر ہے"۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ ذکر اللہ تمام عبادتوں سے افضل و اعلیٰ

اور برتر ہے اس لئے کہ تمام عبادات سے مقصود ذکر اللہ ہی ہے۔ ذکر اللہ سے مومن کے درجات دوسرے اعمال کی بہ نسبت زیادہ بلند ہوتے ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ راہِ خُدا میں سونا چاندی خیرات کرنے اور جہاد فی سبیل اللہ سے بھی ذکر کا مقام ارفع ہے۔ اس لئے کہ جہاد میں مقابلہ ظاہری دشمنوں سے ہوتا ہے۔ ظاہر دشمن کے داؤ پیچ ظاہر ہوتے ہیں اُن کا مقابلہ کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ نفس و شیطان کا مقابلہ کرنا۔ یہ ایسے دشمن ہیں جو دکھائی نہیں دیتے اُن کے داؤ پیچ بھی نظر نہیں آتے۔ پس ظاہری دشمن کے مقابلہ میں مخفی دشمن کا مقابلہ سخت تر اور مشکل ترین ہے۔ اسی لئے "ذکر اللہ" جہادِ اکبر ہے کہ اس میں تزکیۂ قلب ہے' قلبِ مومن اللہ تعالیٰ کا باغ ہے' قلبِ مومن معرفتِ الٰہی کا تخت ہے' قلبِ مومن عرشِ الٰہی ہے۔ ارشادِ نبوی: "قلب المؤمن عرش اللہ تعالیٰ" اس پر شاہد عادل ہے۔ ذاکر' اللہ کے ذکر کے ہتھیاروں سے نفس و شیطان کا مقابلہ کرتا ہے ان کو مغلوب کر کے' شکست دے کر اشرف مقام حاصل کرتا ہے اور قلب کی حفاظت کرتا ہے۔ قلب سے نفس و شیطان کا عمل دخل ختم کرتا ہے' اپنے قلب کو ان کے شرور سے پاک و صاف کر کے معرفتِ الٰہی کا مسکن بناتا ہے۔ اسی لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذکر اللہ تمام عباداتِ بدنی و مالی سے افضل و اعلیٰ و برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَر۔ اللہ کا ذکر سب سے بڑا۔" شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:" حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے بندے تیرا دل میرا باغ ہے اور میری جنّت تیرا باغ ہے۔ پس اگر تو میرے باغ (یعنی اپنے دل) میں میرے لئے جگہ بنانے میں بُخل کرے تو میں بھی تیرے باغ (یعنی اپنی جنّت)

میں تجھے جگہ دینے میں ضرور بخل کروں گا۔" (تفسیر فتح العزیز پارہ اوّل) - بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخل سے پاک و منزّہ ہے۔ اس حدیث قدسی کا مطلب یہ ہے کہ اگر بندہ میری یاد سے میرے ذکر سے اعراض کرے گا، اپنے قلب کو ذکر سے پاک و صاف نہ کرے گا، اپنے دل میں میری جگہ نہ بنائے گا۔ میری محبّت، میرا عشق اور میری معرفت اپنے دل میں جاگزیں نہ کرے گا تو میں بھی اس کو جنّت میں داخل نہ کروں گا۔ یہ غافل کی غفلت کی سزا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ مومن کی ہر ساعت ذکر اللہ میں گزرنی چاہیئے۔ "جو دَم غافل سو دَم کافر"۔ دنیاوی کاروبار میں اِس قدر منہمک نہ ہونا چاہیئے کہ آدمی ذکر اللہ سے غافل ہو جائے۔ غافل کے دل پر شیطان غالب آجاتا ہے۔ عن ابن عبّاس قال قال رسولُ اللہِ صلّی اللہ علیہ وسلّم الشیطان جاثم علیٰ قلب ابن آدم فاذا ذکر اللہ خنس واذا غفل وسوس (رواہ البخاری) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "شیطان آدمی کے دل پر چمٹا رہتا ہے (یعنی غافل مسلمان کے دل پر شیطان اس طرح چمٹا رہتا ہے جیسے شہد پر مکھّی) پھر جب آدمی اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے (اُٹھ جاتا ہے منہ پھیر کر بھاگ جاتا ہے) اور جب آدمی (ذکرِ خُدا سے) غافل ہو جاتا ہے تو وہ وسوسے ڈالتا ہے"۔ ایک اور روایت میں ہے: واذا غفل التقم قلبہٖ فحدّثہ ومنّاہ۔ جب (مومن) آدمی ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے شیطان اس کے قلب کو لقمہ بنا لیتا ہے (یعنی اس کے دل پر قابض ہو جاتا ہے اور اس پر متصرّف ہو جاتا ہے) اور اس کو بیہودہ باتوں اور فاسد تمنّاؤں میں مشغول کر دیتا ہے"۔ ؎

ذکر کُن ذکر تا ترا جان است   پاکئ دل ز ذکر رحمان است

جب تک جسم میں جان ہے ذکر کرتا رہ ۔ ذکرِ رحمان سے دل کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے ۔ ترمذی شریف میں روایت ہے ۔ حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔ ایک شخص نے عرض کی ۔ یارسُول اللہ ! اسلام کے احکامِ شرعیہ بہت ہیں (جو تفصیل وار مجھے یاد نہیں ہو سکتے وہ مجھ پر غالب ہیں) مجھے کوئی ایک بات ایسی بتادیں جسے میں مضبوط تھام لوں ۔ فرمایا " تمہاری زبان ہر وقت ذکر میں تر رہے "۔

حدیثِ قدسی میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ۔" میں اپنے بندے کے ساتھ رہتا ہوں (اپنی رحمتِ کرم سے، محبّت سے، توفیقِ خیر سے) جب کہ وہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے نام سے اس کے ہونٹ ہلتے ہیں "۔ (بخاری) یعنی ذکر کرنے والے کو معیّتِ حق تعالیٰ کی دولت نصیب ہوتی ہے ۔ ایک روایت میں ہے 'انا جلیس من ذکرنی' جو میرا ذکر کرتا ہے میں اُس کا ہم نشین ہوں ۔ قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت ہے کہ بکثرت ذکر کرنے والے' خود کو ذکر اللہ میں محو کر دینے والے اولیاء اللہ ہوتے ہیں اُن کی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے ۔ اسی لئے عارف رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خُدا — او نشیند در حضورِ اولیاءؑ

جو اللہ تعالیٰ کی معیّت کا خواہشمند ہو اُسے چاہیئے کہ اولیاء اللہ کے حضور بیٹھا کرے ۔ حاضر رہا کرے ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریاء

اولیاء اللہ کے حضور تھوڑی سی صحبت ۔ ان کے پاس کچھ دیر ہی کے لئے بیٹھ جانا سَو سالہ طاعتِ بے ریا سے بہتر ہے ۔ اور یہ اس وجہ سے کہ عابد کی عبادت میں

ریا، سُمع ۔ فخر اور خود فریبی وغیرہ شامل ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور اللہ ہی جانے کہ مدتوں کی جانے والی عبادت قبول بھی فرمائی گئی یا نہیں لیکن صالحین کی برکت اور فیض حاصل ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ یہ نعمت قرآن وحدیث سے ثابت ہے ۔ بخاری ومسلم کی طویل حدیث کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب ملائکہ کو گواہ بنا کر مجلسِ ذکر میں شامل ہونے والوں کی مغفرت کا اعلان فرماتا ہے تو ملائکہ کہتے ہیں ۔ ربّ فیھم فلان عبد خطّاء وانّما مرّ فجلس معھم قال فیقول ولہٗ غفرتُ ھم القوم لا یشقٰی بھم جلیسھم (مسلم شریف) یارب ! اس مجلس میں ذکر کرنے والوں میں ایک فلاں شخص بھی ہے جو ذکر کرنے والوں سے نہ تھا وہ توکسی کام سے کہیں جارہا تھا ۔ راستہ میں یہ مجلس نظر پڑی تو کچھ دیر کے لئے بیٹھ گیا (یا کھڑے کھڑے کچھ ذکر سُن لیا) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔" یہ ذکر کرنے والے ایسے ہم نشین ہیں کہ اُن کے ساتھ بیٹھ جانے والا بھی محروم نہیں رہتا ۔ (بخاری)

اس کے علاوہ یہ وجہ بھی ہے کہ اولیاء اللہ کی اگر نظرِ کرم ہوجائے تو بڑے بڑے بدکاروں کی ایک لمحہ میں کایا پلٹ جاتی ہے اور انہیں پَل بھر میں مقاماتِ ولایت حاصل ہوجاتے ہیں ۔ حضور پُرنور سیدنا غوث الاعظم قدسنا اللہ باسرارہ العزیز کی ایک نظرِ کرم سے چور ڈاکو قطب وابدال بنادیئے گئے ؎

نگاہِ ولی میں یہ تاثیر دیکھی بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُن کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

واضح رہے کہ درود شریف پڑھنا بھی اللہ تعالیٰ کا بہترین ذکر ہے، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے نام پاک کے ساتھ اس کے محبوب کے نام پاک کا ذکر بھی شامل ہو۔ قرآن مجید میں ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔ اے محبوب ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔ حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے اس آیۃ کے بارے میں دریافت فرمایا تو اُنہوں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ "اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِیَ" جب میرا ذکر کیا جائے میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "نہیں بیٹھی کوئی قوم کسی مجلس میں نہ تو اللہ کا ذکر سنے اور نہ اپنے نبی پر درود پڑھے مگر یہ مجلس، اُن پر حسرت (وندامت) ہوگی۔ اگر اللہ چاہے تو اس (غفلت) پر ان کو عذاب دے اور اگر چاہے تو انہیں بخش دے۔"

توجس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ ہو، اس کے محبوب پر درود و سلام نہ پڑھا جائے، قیامت میں اِن اوقات کے ضائع ہو جانے پر ضرور حسرت وندامت ہوگی۔ دُعا ہے کہ اللہ ہم سب کو اس حسرت وندامت سے بچائے اور توفیق بخشے کہ ہم ہر وقت درود و سلام پڑھتے رہیں ذکر اللہ میں مشغول رہیں۔ آمین

عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل الّذی یذکر ربّہٗ والّذی لا یذکر مثل الحیّ والمیّت (متفق علیہ) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اُس کی مثال جو رب تعالیٰ کا ذکر کرے اور جو نہ کرے، زندہ اور مُردہ کی مثال ہے۔" یعنی جسم میں رُوح ہے تو زندہ ہے، جسم میں رُوح نہ رہے

تو مُردہ ہے۔ (مُسلم و بخاری)

جیسے زندہ کا جسم رُوح سے آباد ہے مُردہ کا غیر آباد۔ ویسے ہی ذاکر کا دِل ذکر سے آباد ہے اور غافل کا دل غیر آباد ہے ویران ہے یا جیسے شہروں قصبوں کی آبادی اور رونق زندوں سے ہے مُردوں سے نہیں' ویسے ہی آخرت کی آبادی اور رونق ذاکرین سے ہے غافلین سے نہیں۔ یا جیسے زندہ دوسروں کو نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے' مُردہ نہیں۔ ویسے ہی ذاکر سے نفع و نقصان خلقِ خُدا حاصل کرتی ہے غافل سے نہیں یا جیسے مُردے کو کوئی دوا یا غذا مفید نہیں ویسے ہی غافل کو کوئی عمل وغیرہ مفید نہیں۔ اس لئے کہ ہر عمل کی رُوح 'ذکر' ہے غفلت سے ہر عمل بیکار ہے۔ کوئی بھی نیک عمل کرو اِس میں یادِ خُدا شامل ہو۔ ذاکر مر کر بھی زندہ ہے' اور غافل زندہ دکھائی دیتا ہے مگر مُردہ ہے۔ حضرت ملّا علی قاری محدّث علیہ الرحمۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں"۔ اس میں اشارۃً ارشاد ہوا کہ "حیّ لایموت" کا ذکر' ذاکر کو حیاتِ غیر فانیہ بخش دیتا ہے اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہیں (مرقاۃ) مُسلم شریف میں ہے"جو گھر اللہ کے ذکر سے آباد ہو وہ زندہ ہے اور جو گھر اللہ کے ذکر سے خالی ہو وہ مُردہ ہے"۔ گھر سے مُراد مومن کا دل ہے کہ وہ اللہ کا گھر ہے"۔ مُبارک ہے وہ جو اس گھر کو آباد رکھے منحوس ہے وہ جو اسے ویران کر دے ؎

دل وہی آباد ہے جس میں تمہاری یاد ہے — جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے
زندگانی نتواں گفت حیاتے کہ مراست — زندہ آنست کہ با دوست وصالے دارد

جو زندگی کہ مجھے حاصل ہے اس کو زندگانی نہیں کہا جا سکتا۔ زندہ تو وہ ہے جس کو دوست کا وصال حاصل ہو۔

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔" لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن دخلہٗ امن من عذابی۔ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے تو جو شخص اس میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے مامون ہو گیا" اس کی شرح میں شیخ الاسلام حضرت بہاؤ الدین ذکریا قدسنا اللہ باسرارہ العزیز کے فرزند حضرت شیخ صدر الدین قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں: " دو چیزیں ہیں، ایک حِصن اور ایک حصار حصار کے معنی چار دیواری کے ہیں قطع نظر اس کے کہ اس کی نگرانی وحفاظت کی جائے یا نہیں اور حِصن اس چار دیواری کو کہتے ہیں جسے بنانے کے بعد اس کی نگرانی وحفاظت کا بھی اہتمام کیا گیا ہو۔ حِصن کی تین حالتیں ہیں:

۱۔ ظاہر ۲۔ باطن ۳۔ حقیقت

قلعہ کا ظاہر یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سوا کسی اور سے اُمید و خوف نہ رکھے پوری دنیا بھی اگر دوست یا دشمن ہو جائے تب بھی اللہ کے حکم کے بغیر کسی قسم کا نفع یا نقصان اور اچھائی یا برائی نہیں پہنچا سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ الآیہ (پ ۱۱ ع ۱۶) اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اُس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کا رد کرنے والا کوئی نہیں (وہی نفع و ضرر کا مالک ہے تمام کائنات اُس کی محتاج ہے وہی ہر چیز پر قادر اور جود و کرم والا ہے۔ بندوں کو اس کی طرف رغبت اور اس کا خوف اور اسی پر بھروسہ اور اسی پر اعتماد چاہیئے اور نفع و ضرر جو کچھ بھی ہے) وہی اسے پہنچاتا ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔" (کنزالایمان)

قلعہ کا باطن یہ ہے کہ مرنے سے قبل اس بات کا جزم و یقین محکم کرے کہ اس ختم ہونے والی سرائے دنیا میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ سب عارضی اور وقتی ہے، کیونکہ اس دنیا میں کسی چیز کو ثبات و قیام اور بقاء و دوام حاصل ہی نہیں اور اس دنیا کو ختم کرنے کے لئے تقدیر کا قلم چل چکا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ اِس دُنیا کی ہر شے فنا ہونے والی ہے چونکہ خود دُنیا کو ثبات و قیام نہیں اِس لئے دنیا کے ہونے اور نہ ہونے کی پرواہ کئے بغیر پوشیدہ طریقے سے اِس دُنیا میں رہے۔

اور قلعہ کی حقیقت یہ ہے کہ جنّت کی خواہش اور دوزخ کا خوف دِل سے نکال دے اور یادِ الٰہی سے دل کو پُرسکون اور مطمئن رکھے اور فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر۔ الآیۃ۔ مقتدر بادشاہ (اللہ تعالیٰ) کے پاس صداقت کے مقام پر بیٹھنے والوں کا مصداق بنے۔ جب اس مقام کے لائق ہو جائے گا تو جنّت خود اس کی طلبگار بن کر اس کے پیچھے پیچھے آئے گی اور دوزخ اس سے دُور بھاگ جائے گی۔ (اخبار الاخیار۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرّہٗ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: ”افضل ذِکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے اور افضل دُعا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہے“۔ (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ سے پُورا کلمہ مراد ہے یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ ورنہ صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ تو بہت سے کفّار موحّد بھی پڑھتے ہیں یعنی بہت سے کافر اللہ کو مانتے اور لَاشَرِیْکَ لَہٗ جانتے ہیں بلکہ ابلیس بھی پکّا موحّد ہے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ وہ پڑھتا ہے، توحیدِ الٰہی کا قائل ہے مگر صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھ لینا کافی نہیں جب تک

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ نہ پڑھا جائے کلمۂ توحید مکمل نہیں ہوتا یعنی اس بات کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار لازم ہے کہ اُس اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں جس نے محمدؐ کو اپنا رسُول بنا کر مبعوث فرمایا اور جو شخص مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کو نہیں مانتا وہ اُس اللہ کا بھی منکر ہے جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ سے مقصود ہے۔ یعنی ایسا شخص کسی ایسے کو اللہ کہتا اور معبود مانتا ہے جس نے محمدؐ کو رسُولِ برحق بنا کر نہیں بھیجا تو ایسا شخص اُس 'حقیقی' اللہ کا انکاری ہے جس نے "محمدؐ" کو حقیقتاً اپنا رسُول بنا کر بھیجا ہے۔ پھر خواہ وہ لاکھوں کروڑوں بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھے ساری عُمر پڑھتا رہے کافر ہی رہے گا، مومن نہیں ہوگا۔ کافر کا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنا مطلقاً بیکار ہے۔ ہاں اگر وہ صدقِ دل سے ایک بار بھی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ لے اور مر جائے اور دوسری مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ نہ پڑھ سکے تو بفضلہٖ تعالیٰ حقیقی موحّد و مومن شمار ہوگا اور جنّت کا مستحق بھی بن جائے گا ؎

خُدا کے سب ہیں بندے پر خُدا ملتا نہیں اُنکو
خُدا ملتا ہے اُس کو جو بنے بندہ محمّد کا

مولائے صَلِّ وَسَلِّم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلّھمِ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ لینے سے کافر و مشرک، مومن بنتے ہیں۔ شرک و کُفر کی گندگیاں دُور ہو جاتی ہیں، دل پر چڑھا ہوا زنگ اُتر جاتا ہے اور قلب نُورِ ایمان سے منوّر ہو کر جگمگانے لگتا ہے۔ قلب کی صفائی کے لئے کلمۂ توحید اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ یہ مُبارک کلمہ توحید و رسالت کا مجموعہ ہے۔ اس لئے یہ افضل ذکر ہے اور الحمد للہ افضل دُعا ہے کہ دُعا میں

مُنعِم کی حمد و ثناء اور اپنی غرض شامل ہوتی ہے۔ بھکاری سخی داتا کے دروازے پر حاضر ہو کر اس کی تعریف و توصیف اور حمد و ثنا کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے جود و سخا کا طلبگار ہے' اپنی حاجت روائی چاہتا ہے۔ پس جب بندۂ مومن الحمدللہ کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی محتاجی کا اقرار و اظہار کرتے ہوئے مُنعِمِ حقیقی اللہ عزّوجلّ کے فضل و کرم کا معترف بھی ہے اور طلبگار بھی۔ اس لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کو افضل دُعا فرمایا گیا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ خَاتِمِ النَّبِيِّيْنَ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ؕ

حجۃ الاسلام امام غزالی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں:

جاننا چاہیئے کہ ذکر کے چار درجے ہیں۔ اوّل یہ کہ ذکر محض زبان پر ہو اور دل اس سے غافل ہو اس کا اثر ضعیف ہوتا ہے' اگرچہ اثر سے یکسر خالی بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ زبان جو ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے اُس زبان سے بہرحال افضل تر ہے جو بیہودہ گوئی میں مشغول رہے یا بالکل معطّل ہی رہے ؎

دو روزہ زیست غنیمت ہے ذکرِ حق کر لے!

بدن میں جان دہن میں زبان رہے نہ رہے

دوم۔ دوسرا ذکر وہ ہوتا ہے کہ دل میں موجود تو ہوتا ہے لیکن پُوری طرح متمکّن نہیں ہوتا اور دل اس کی قرارگاہ نہیں بن پاتا اور اسکی موجودگی اس امر پہ موقوف ہوتی ہے کہ تکلّف اور کوشش سے اسے دل میں رکھنا پڑتا ہے اور اگر اس کوشش وسعی میں ذرا سی بھی ڈھیل ہو جائے تو پھر دل اپنی طبعی حالت کی طرف لوٹ آتا ہے اور نفس کی باتوں میں آکر غافل ہو جاتا ہے۔

سوم۔ تیسرا ذکر یہ ذکرِ الٰہی دل میں گھر کر چکا ہو اور اس پر متمکن و مسلط ہو چکا ہو۔ یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کام کے لیئے دل کو آمادہ کرنے کے لیئے خاصی جدّ و جہد درکار ہو اور یہ درجہ عظیم ہے۔

چہارم۔ چوتھا درجہ وہ ہے کہ دل پر ذکرِ حق کا نہیں بلکہ ذاتِ حق کا غلبہ ہو جائے کہ اس شخص میں جو مذکور (یعنی حق تعالیٰ) کو دوست رکھتا ہے بڑا فرق ہوتا ہے بلکہ گمان یہ ہے کہ ذکر اور آگاہیٔ ذکر کا تصوّر ہی دل سے محو ہو جائے اور صرف مذکور ہی (ذاتِ حق ہی) دل میں باقی رہ جائے۔ کیونکہ ذکر خواہ عربی میں ہو خواہ فارسی (یا کسی اور زبان) میں نفس کی بات سے خالی نہیں ہو سکتا بلکہ عین سخن ہی کہلاتا ہے جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ دل ہر طرح کے سخن سے خالی ہو جائے اور مکمّل طور پر "اُسی کا" بلکہ "اُسی سا" ہو جائے اور دوسری کسی شے کی اس میں گنجائش ہی نہ رہے اور یہ انتہائی درجہ کی محبّت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جسے عشق کہتے ہیں اور عاشق کی تمام سرگرمیاں معشوق ہی کے لیئے وقف ہوتی ہیں اور کبھی کبھی تو یوں بھی ہوتا ہے کہ دلِ عاشق تصوّرِ معشوق میں اس درجہ مُستغرق ہو جاتا ہے کہ خود معشوق کا نام بھی اسے بھُول جاتا ہے (دلِ عاشق میں کیونکر عکسِ دلربا ٹھہرے ؛ جمالِ آفتاب آئینۂ شبنم میں کیا ٹھہرے؟) اور جب وہ استغراق کی اس منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ اپنے آپ کو اور سوائے حق تعالیٰ کے دُنیا و کائنات کی ہر چیز کو فراموش کر دیتا ہے تو تصوّف کی راہِ اوّل تک پہنچ جاتا ہے کہ یہی وہ حالت ہے جسے صوفیائے نے فنا و نیستی کے نام سے موسوم کیا ہے یعنی اُس کے ذکر سے جو کچھ "ہے" "نہیں ہے" میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ (کیمیائے سعادت)۔

عارفِ حق مولانا رومی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں ؎

تیغ 'لا' در قتلِ غیرِ حق براند　　در نگر زاں پس کہ بعد از 'لا' چہ ماند

ماند 'الا اللہ' باقی جملہ رفت　　شاد باد اے عشق شرکت سوز زفت

کلمۂ توحید "لا الٰہ الا اللہ" کہتے ہوئے جب 'لا' (نہیں) کی تلوار سے تمام ماسوی اللہ کو قتل کر ڈالا (اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے سب کی نفی کر دی گئی) تو اس کے بعد اب غور کر کے دیکھ کہ اس 'لا الٰہ' کے بعد کیا باقی رہ گیا؟ "الا اللہ" ہی رہ گیا اس کے سوا جو کچھ تھا نہ رہا۔ اور چونکہ یہ کارنامہ عشق ہی کی بدولت انجام پایا اس لئے مولانا رومی علیہ الرحمۃ عشق کو شاباش دیتے ہیں اے عشق شاد رہ کہ تُو نے شرک کے تمام سامان جلا کر رکھ دیئے۔ العشق نار یحرق ماسوی اللہ۔ عشق وہ آگ ہے جو ماسوی اللہ کو جلا کر بھسم کر ڈالتی ہے یعنی فنا کر دیتی ہے۔ ماسوی اللہ میں خود عاشق کا وجود بھی شامل ہے وہ بھی فنا ہو جاتا ہے یعنی اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو بھی فراموش کر بیٹھتا ہے اور جب اپنے آپ کو بھی فراموش کر دیا تو گویا اپنے آپ سے بھی نیستہٗ یعنی غیر موجود ہو گیا اور جب حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز اس کے ساتھ نہ رہی — (حتیٰ کہ اپنی ذات بھی) تو ذاتِ حق تعالیٰ ہی "ہست" یعنی موجود رہ جاتی ہے اور ذاتِ حق میں فنا ہو جانے والا سوائے اس کے کچھ دیکھتا ہی نہیں اور غلبۂ حال میں پُکار اٹھتا ہے "لَا موجودَ اِلَّا ھُو" اس کے سوا اور کوئی موجود نہیں۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ "اس مقام پہ پہنچ کر اس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان جُدائی ختم ہو جاتی ہے اور یگانگی حاصل ہو جاتی ہے اور یہ توحید و وحدانیت کا پہلا عالم ہوتا ہے کہ جُدائی کی بھی خبر نہیں رہتی کیونکہ اُسے

جُدائی اور دُوری کا احساس ہی نہیں رہتا کیونکہ جُدائی کا احساس اُسی کو ہوتا ہے
جو دو چیزوں کو علیحٰدہ علیحدہ جانتا ہو یعنی اپنے آپ کو اور ذاتِ حق کو ؎

ہماری بے خودی تمہید ہے تیری نمائش کی
مٹا کر نقش اپنا ہم ترا نقشہ جماتے ہیں

جب ذاکر اس درجہ تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو فرشتوں کی صُورتیں اس کے سامنے نمودار ہونے لگتی ہیں اور ارواح، ملائکہ اور انبیاء علیہم السّلام پیاری پیاری شکلوں میں اس کے رُوبرُو بلا حجاب جلوہ نما ہونے لگتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے اُس پر ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ایسے ایسے عظیم الشّان احوال و واردات ظاہر ہونے لگتے ہیں کہ انہیں الفاظ و عبارات کا جامہ پہنانا ممکن نہیں۔ (کیمیائے سعادت)

جو لوگ اس راہ کے راہرو نہیں، عباداتِ الٰہی اور ذکر و فکر سے غافل ہیں دُنیادار ہیں اور حُبِّ دنیا میں غلطاں اور طلب جاہ و مال میں سرگرداں ہیں یا پھر وہ گمراہ جو سائنس و فلسفہ کے دلدادہ اور راہِ حق سے دُور اُفتادہ ہیں اہل اللہ کے احوال اور ان کے مبنی بر صداقت اقوال کو تسلیم نہیں کرتے محض اس بنائ پر کہ اُن کو ان باتوں کا علم و مشاہدہ حاصل نہیں انکار کر دیتے ہیں۔ مولانا رومی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں ؎

فلسفی منکر شود در فکر و ظن   گو برو سر را بداں دیوار زن

فلسفی صرف قوّتِ فکریہ اور مقدّماتِ ظنّیہ کی بنا پر حقائقِ عالیہ کا انکار کرتا ہے اُسے کہہ دو کہ ساری عمر اسی دیوارِ فکر سے سر پھوڑتا رہے ؎

فلسفی گوید ز معقولاتِ دُوں   عقل از دہلیز مے ناید بروں

فلسفی عقلیاتِ سافلہ کی گفتگو کر رہا ہے اور اس کی عقل ابھی سفلیات کی دہلیز سے باہر نہیں نکلی علومِ عالیہ تک تو کیا پہنچتی؟

گوید او کہ پرتوِ سودائے خلق　　　بس خیالات آورد در رائے خلق

وہ فلسفی کشف کے متعلق یوں کہتا ہے کہ کہ اِن لوگوں کو خلطِ سوداوی کا اثر ان اشخاص کے ذہن میں کچھ خیالات (غلط) جمع کر دیتا ہے فلسفی لوگ چونکہ عالمِ محسوسات کے مقیّد اور امور باطن کے منکر ہوتے ہیں اس لئے وہ انبیاء علیہم السّلام اور اولیاء کرام کے مشاہدات اور مکشوفات کو سوداء اور تخیّلاتِ باطلہ بلکہ جنون سے تعبیر کرتے ہیں ؎

بلکہ عکسِ آں فسادِ کفرِ اُو　　　آں خیالِ منکرے را زد بر اُو

درحقیقت ان حضرات کو سوداء ہی بلکہ برعکس اس کے فلسفی کے فسادِ اعتقاد اور کُفر کی شامت نے یہ مُنکرانہ خیال اس کے اندر پیدا کر دیا ہے ؎

ہر کہ را در دل شک و پیچانی است　　　در جہان او فلسفی پنہانی است

بلکہ جس بھی شخص کے دل میں کج فہمی اور شک کا مادّہ ہو وہ دُنیا میں چُھپا فلسفی ہے۔

عارف باللہ مولانا رومی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فلسفیوں کی تردید و مذمّت کے بعد ہر اُس شخص کی تردید و مذمّت فرماتے ہیں جو محبوبانِ خدا کے احوالِ عالیہ اور اُن کے مشاہدات و مکشوفات کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا ہو۔ خواہ وہ نماز روزہ کا پابند ہو اور خود کو متّقی و پرہیزگار سمجھتا ہو یا پکّا دُنیا دار ہو وہ چُھپا فلسفی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام　　　پس سخن کوتاہ باید والسلام

یہ لوگ ناقص الحال ہیں اور کوئی ناقص آدمی ولیؒ کامل کا حال معلوم نہیں کرسکتا پس ایسے لوگوں کے سامنے قصّہ کوتاہ کردینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما۔ اللہ والوں، مومنوں سے جب جاہل لوگ (جہالت) کی بات کریں تو وہ ان جہّال سے اُلجھتے نہیں بلکہ کہہ دیتے ہیں ہمارا سلام ہے اور ان کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ اب مولانا رومی علیہ الرحمۃ پختہ ہونے کا طریقہ بتاتے ہیں کہ جس سے خامی دُور ہوجائے اور اسرارِ عشق و معرفت سمجھنے کی اہلیت پیدا ہوجائے ؎

بند بگسل باش آزاد اے پسر — چند باشی بندِ سیم و بندِ زر

بیٹا! قید کو چھوڑ آزاد ہوجا۔ چاندی سونے کے خیال میں تُو کہاں تک مقیّد رہیگا اس کا اُصول یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے تعلّقات نہ رکھے جائیں اور مال و دولت کا شوق منقطع کردیا جائے ؎

ہر کرا جامہ زعشقے چاک شُد — اُو زحرص و عیب کُلّی پاک شد

جس شخص کا جامہ عشق سے چاک ہوگیا وہ حرص اور ہر قسم کے عیب سے بالکل پاک ہوگیا۔ عشقِ حقیقی تہذیبِ اخلاق اور تزکیۂ نفس کا بہترین ذریعہ ہے۔ ذکر و فکر سے قلب میں محبّتِ الٰہی پیدا کی جائے۔ جس سے تمام اخلاقِ ذمیمہ خود بخود دُور ہوجاتے ہیں کیونکہ رُوح میں جو لطافت پیدا ہوجاتی ہے وہ اِن کیفیاتِ کثیفہ کو برداشت نہیں کرسکتی ؎

شاد باد اے عشق خوش سودائے ما — اے طبیب جملہ علّتہائے ما

اے عشق! جو ہمارا اچھا جُنون ہے، اے ہمارے تمام اخلاقی و رُوحانی امراض کے طبیب تُو خوش رہے۔

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

در طریق عشق اوّل منزل ست ‏ بذل مال وجاہ و ترکِ نام وننگ

مال وجاہ سے کنارہ کش ہوجانا اور نام وننگ کا ترک کردینا راہِ عشق میں پہلی منزل ہے اس لئے مال وجاہ کی حرص اور دُنیوی چند روزہ ناموری اور جھوٹے وقار کی طمع آدمی کو بے دین تک بنا دیتی ہے اور اس کے دل کو سیاہ کردیتی ہے۔ چنانچہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ماذئبان جائعان اُرسلا فی غنم بافسد لھا من حرص المرء علی المال والشرف لدینہٖ۔ (رواہ الترمذی والدارمی ۔ مشکوٰۃ) دو بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں۔ وہ ان بکریوں کو اس سے زیادہ خراب نہیں کرتے جتنی خرابی انسان کے مال وجاہ کی حرص سے اس کے دین میں واقع ہوتی ہے اِس لئے کہ انسان مال و دولت اور وقار وعزّت کے حصول کی خاطر نہ حلال وحرام میں تمیز کرتا ہے اور نہ ہی خلافِ اسلام حرکات سے باز رہتا ہے۔ کیونکہ اسکا مقصود محض حصولِ دُنیا ہوتا ہے ایسے شخص کو عبادت اور ذکر وفکر کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ اپنی تمام عُمر مال و دولت اور نام ونمود کی خاطر ضائع کردیتا ہے توجس شخص کے دل میں حُبِّ دنیا گھر کرجائے۔ اس کے دل میں اللہ کی محبّت کیونکر پیدا ہوسکتی ہے اور اُس کا قلب کیونکر روشن ہوسکتا ہے؟ (مفتاح العلوم)

حضرت شاہ شرف الدین بُوعلی قلندر قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں

؎ حُبِّ دنیا چوں کند بر دل نگاہ ‏ دل چُو خارا گردش سخت وسیاہ

کُور گردد روشنِ چشمِ یقیں ‏ بستہ گردد بعد ازاں درہائے دیں

جب دُنیا کی محبت دل پر نگاہ ڈالتی ہے تو دل پتھر کی طرح سخت اور سیاہ

ہو جاتا ہے۔ یقین (ایمان) کی روشن آنکھ اندھی ہو جاتی ہے اور اس کے بعد دین کے دروازے بند ہو جاتے ہیں ؎

دل چو آلودہ ست از حرص و ہوا
کے شود مکشوف اسرارِ خدا

صد تمنا در دلت اے بو الفضول
کے کند نورِ خدا در دل نزول

جب ترا دل حرص و ہوا سے آلودہ ہے تو اس میں اسرارِ الٰہی کیونکر ظاہر ہو سکتے ہیں؟ اے بیہودہ بکواسی! سینکڑوں دنیاوی تمنائیں تیرے دل میں بھری ہیں، تو تیرے دل میں خدا کا نور کیونکر نازل ہوگا ؎

اے گرفتار آمدی در بندِ نفس
نفس کافر را بکش بشکن قفس

تا کنی پرواز سوئے اصلِ خویش
جا کنی در آشیانِ وصلِ خویش

اے مخاطب! تو جو نفسِ امارہ کی قید میں گرفتار ہے اس نفسِ کافر کو قتل کر اور پنجرے کو توڑ دے تاکہ تو اپنے اصل (عالمِ روحانی) کی طرف پرواز کر سکے اور اپنے اصل آشیانے میں پہنچ جائے۔ مولائے روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

آئینہ ات دانی چرا غماز نیست
زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست

اے مخاطب تو اسرار و حقائق کو اس لئے سمجھ نہیں سکتا کہ تیرے آئینۂ قلب پر زنگِ غفلت چڑھا ہوا ہے اور اس زنگ کا باعث تعلقاتِ ماسوی اللہ ہیں۔ زنگ آلود آئینہ میں جب آدمی کا چہرہ ہی دکھائی نہیں دے تو اسرارِ معرفت جو نہایت لطیف ہیں تیرے زنگ آلود قلب میں کیونکر محسوس و ظاہر ہو سکتے ہیں؟ ؎

آئینہ کز زنگ و آلائش جدا ست
پر شعاعِ نورِ خورشیدِ خدا ست

جس شخص کا آئینۂ قلب تعلقاتِ ماسوی اللہ کی کدورت سے پاک ہے، غفلت

کے زنگ اور مَیل سے صاف ہے وہ خورشیدِ خُدا کے نُور سے چمک رہا ہے۔ نُورِ خدا
کی شعاعوں سے اور تجلّیاتِ معرفت سے منوّر ہے ؎

رَو تُو زنگار از رُخِ اُو پاک کن　　　بعد ازاں آں نُور را ادراک کُن

اے طالب! جا پہلے اس آئینۂ دل کے چہرے سے زنگار صاف کر پھر اس نُور کو
حاصل کر یعنی پہلے اپنے دل کو تعلّقاتِ ماسوی اللہ سے پاک کر اس کے بعد تیرا
دل نُورِ حق سے منوّر ہو سکے گا۔ نُورِ معرفت سے قلب روشن ہو سکے گا۔ اے طالبانِ
حق! علائقِ سفلیہ سے پاک ہو جاؤ کیونکہ علائقِ سفلیہ جسمانیہ ہی انسان کو عالمِ قدس
کی سیر سے باز رکھتے ہیں ؎

آئینۂ دل چوں شود صافی و پاک　　　نقشہا بینی بروں از آب و خاک

آئینۂ دل جب غفلت کے زنگ سے اور تعلّقاتِ ماسوی اللہ کی کدورت سے
پاک ہو جائے گا تو تُو اس عالمِ آب و خاک یعنی عالمِ ناسوت سے باہر عالمِ مغیّبات
کے نقوش کو دیکھنے لگے گا۔ عالمِ ملکوت، عالمِ جبروت اور عالمِ لاہوت کی سیر کریگا۔
وہاں کے اسرار کا بچشمِ رُوحانی مشاہدہ کرنے لگے گا۔ اولیاء اللہ پر توحید افعالی
اور توحید صفاتی منکشف اور ظاہر ہو جاتی ہے اس لئے کہ:

سینہ ہا صیقل زدہ از ذکر و فکر　　　تا پزیرد آئینہ نقشِ بکر

اِن پاکبازوں نے اپنے سینوں کو ذکر و فکر سے صیقل کر رکھا ہے تاکہ آئینہ قلب
معارف و کمالات کے تازہ نقش کو قبول کرتا رہے۔ پس اے مخاطب تُو بھی ہر دم
ذکرِ الٰہی سے اپنے قلب کو صیقل کرتا رہ ؎

چوں بیابی آں حواسِ نُور بیں　　　پا نہی بالائے چرخِ ہفتمیں

فیضانِ ذکر سے جب وہ دُور تک نظر کرنے والے حواس تم کو مل جائیں گے تو تم

ساتویں آسمان پر قدم رکھو گے۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "ذکرِ لسانی و قلبی کرنے سے سالک پر توحیدِ افعالی منکشف ہوتی ہے۔ اُسے پتہ چلتا ہے کہ انسانوں کے سب احوال مثلاً موت وحیات اور شفا، ومرض سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انجام پاتے ہیں پھر وہ ان کو اسباب سے منسوب نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ پر اس کا توکّل بڑھ جاتا ہے۔ توحیدِ افعالی کے بعد پھر توحیدِ صفاتی ظاہر ہوتی ہے، اب اسے واضح طور سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل ایک ہے اور تمام اختلافات اس کی شاخیں ہیں اور وہ اصل کو ان صورتوں کے ضمن میں دیکھتا اور پہچانتا ہے مثلاً لفظ "انسان" کے مفہوم کلّی کو افراد کے ضمن میں دیکھتا ہے وہ اصل کو بے رنگ جانتا ہے اور مختلف رنگوں کو اس بے رنگی کا مانع نہیں سمجھتا۔ توحیدِ افعالی اور توحیدِ صفاتی باہم متصل ہیں۔ ایک کا آخر دوسرے کے اوّل سے مربوط ہے۔ یعنی توحید افعالی کے ختم ہوتے ہی توحیدِ صفاتی شروع ہو جاتی ہے۔ مگر بہت سے لوگ ساری عمر اِسی میں رہتے ہیں انہیں اس سے آگے بڑھنا نصیب نہیں ہوتا مگر جو شخص قوی المحبّت اور ذکی الذّہن ہے وہ مختلف صورتوں کی کثرت کی طرف سے آنکھ بند کر لیتا ہے اور اصل واحد کی طرف متوجّہ ہو جاتا ہے۔ ذاتی توحید کی تجلّی مثل چمکتی ہوئی بجلی کے ہے۔" (ہمعات)

مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

چیست توحیدِ خدا آموختن　　　خویشتن را پیش واحد سوختن

بتاؤ۔ توحیدِ حق عمل میں لانے کی کیا صُورت ہے؟ لو ہم سے سنو، اپنے آپ کو

واحد کے آگے فنا کر دینا توحید ہے یعنی جب تک انسان کو اپنے وجود کا احساس ہے وہ جمالِ لم یزل کی دولت مشاہدہ سے بہرہ مند نہیں ہوتا یعنی حقیقی توحید کے مقام پر فائز نہیں ہو سکتا ؎

گر ہمے خواہی کہ بفروزی چو روز ہستیٔ ہمچوں شب خود را بسوز

اگر تم چاہو کہ دن کی طرح روشن ہو جاؤ تو اپنی ہستی کو جو رات کی طرح تاریک ہے فنا کر دو ؎

ہستیت در ہست آں ہستی نواز ہمچو مس در کیمیا اندر گداز

اپنی ہستی کو اُس ہستی نواز کی ہستی میں اس طرح گلا دو جس طرح تانبہ کیمیا میں ڈھل جاتا ہے۔

عارفِ حق حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

در راہِ ذوالجلال چو بے پا و سَر شوی از پائے تا سَرت ہمہ نُورِ خدا شوی

"جب تو راہِ ذُوالجلال میں بے پا و سَر ہو جائے گا یعنی خود کو فنا کر دیگا تو تیرے سر سے پاؤں تک سب کا سب نُورِ خدا ہو جائے گا۔" یہ وہ مقام ہے کہ اس مقام پر پہنچ کر بندۂ ذاکر مقامِ ولایت پر فائز ہو جاتا اور صفاتِ الٰہی کا مظہرِ کامل بن جاتا ہے۔

حضور غوث اعظم قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں:

"پس تُو اپنے سارے جسم اور اجزاء کو تمام خلقت کے ساتھ بُت سمجھ لے اور ان میں سے کسی چیز کی بھی فرمانبرداری نہ کر پس اس وقت تُو اَسرارِ علوم لدنّیہ اور ان کے عجائبات کا امین بنا دیا جائے گا۔ اور تکوین یعنی پیدا کرنا اور خارقِ عادات یعنی کرامات تیری طرف پھیر دی جائیں گی اور تیرے

سُپرد کردی جائیں گی۔ وہ کرامات اس قدرت اور طاقت کی قسم میں سے ہیں جو جنّت میں مومنوں کو حاصل ہوں گی۔ قال اللہ تعالیٰ: وَلَکُمۡ فِیۡھَا مَا تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدّعون نزلاً مّن غفورٍ رّحیم ط اور تُو اُس حالت میں ایسا ہو جائے گا کہ گویا تُو مرنے کے بعد آخرت میں زندہ کیا گیا ہے پس تیرا سارا وجود قدرتِ الٰہی کا مظہر بن جائے گا تو خدا تعالیٰ کے ساتھ سُنے گا، خدا تعالیٰ کے ساتھ تُو دیکھے گا، خدا تعالیٰ کے ساتھ تُو بولے گا۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تُو پکڑے گا، خدا تعالیٰ کے ساتھ تُو چلے گا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ تُو عقل کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تُو سکون و آرام پائے گا پس تو غیر اللہ سے اندھا اور بہرہ ہو جائے گا اور غیر اللہ کی کوئی ہستی تجھے نظر نہیں آئے گی۔ بشرطیکہ تو حدودِ الٰہی کو نگاہ میں رکھے اور امر و نواہیٔ شرعیہ پر پُورا پُورا قائم رہے اگر حدودِ الٰہیہ میں سے کوئی چیز کٹ گئی اور ضائع ہو گئی تو جان لے کہ تُو فتنہ و بلا میں ڈال دیا گیا ہے اور تیرے ساتھ شیطان کھیل رہے ہیں پس شریعت کے حکم کی طرف رجوع کر اور اسے لازم پکڑ اور اپنی ہوا و ہوس کو چھوڑ دے ہر وہ حقیقت جس کی گواہی شریعت نہ دے وہ بے دینی اور کفر ہے۔" (فتوح الغیب)

عارف باللہ مولانا رومی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں: ؎

رنگِ آہن محوِ رنگِ آتش ست ز آتشے مے لافد و آتش وَش ست

لوہے کا ذاتی سیاہ رنگ آگ کے سُرخ و تیز رنگ میں محو ہو گیا۔ آگ کی صفات ظاہر کر رہا ہے اور آگ ہی کی مانند ہو گیا ہے۔" ؎

چوں بسُرخی گشت ہمچوں زرِّ کاں پس انا النّار ست لافش بے گماں

جب لوہا آگ میں تپ کر خالص معدنی سونے کی طرح سُرخ ہو گیا تو پھر

وہ بلاگماں "میں آگ ہوں" پکارنے لگتا ہے ؎

شُد ز رنگ و طبعِ آتش محتشم ۔۔۔ گوید اُو من آتشم، من آتشم

جب لوہا آگ کی خاصیت اور رنگ سے محتشم ہوگیا تو اب وہ زبانِ حال سے کہہ رہا ہے۔ "میں آگ ہوں، میں آگ ہوں" ؎

آتشم من گر ترا شک است و ظن ۔۔۔ آزموں کن دست را بر من بزن

"میں آگ ہوں" اور اگر تجھے اس میں کوئی شک یا بدگمانی ہے تو تُو آزما کر دیکھ لے، مجھ پر ہاتھ رکھ کر دیکھ کہ جلاڈالتا ہوں یا نہیں ؎

آتشے چہ آہنے چہ لب بہ بند ۔۔۔ ریش تشبیہہ و مشبّہ بر مخند

آگ کیا؟ اور لوہا کیا؟ خاموش ہو جا ذاتِ حق کے بارے میں تشبیہہ کی گستاخی نہ کر، ورنہ تشبیہہ و مشبّہ کی ہنسی نہ اُڑانا ؎

آدمی چوں نور گیرد از خُدا ۔۔۔ ہست مسجودِ ملائک ز اجتبا

آدمی جب خُدا کے نُور سے منوّر ہوجاتا ہے تو بزرگی کی وجہ سے مسجودِ ملائک بن جاتا ہے ؎ تُو ز قرآں باز خواں تفسیر بیت ۔۔۔ گُفت ایزد مَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ

اے مخاطب! اگر یہ بات تیری سمجھ میں نہیں آتی تو میرے ان ابیات کی تفسیر قرآن مجید کی اس آیۃ مُبارکہ میں دیکھ لے کہ حق تعالیٰ نے اپنے محبوب صلّی اللہ علیہ وسلّم سے فرمایا کہ میدانِ جنگ میں کفّار کے چہروں اور ان کی آنکھوں میں اے محبوب خاک و کنکر آپ نے نہیں پھینکے بلکہ اللہ نے پھینکے تھے حالانکہ بظاہر آپ ہی نے پھینکے تھے۔

شیخ الشیوخ سیّدنا داتا گنج بخش قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں:

" اور یہ بھی جائز ہے کہ کسی کو ولایت اس لئے عطا فرمائے کہ اُسکی عقدہ کشائی

سے مُلک میں عقدہ کشائی ہو اور تمام بندوبست اور امورِ تکوینیہ اُن کے قبضہ میں دے کر اُن کی دُعاؤں کو مستجاب اور ان کے انفاس کو مقبول بنائے جیسا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ رُبَّ اشعث اغبر ذی طمرین لا یعباء بہٖ لو اقسم علی اللہ لابرّہٗ۔ بکثرت بندگانِ خُدا پریشان حال، غبار آلود بال بکھرے کپڑے پھٹے ایسے ہیں جن کی لوگ پرواہ نہیں کرتے اگر وہ کسی معاملہ میں اللہ کی قسم کھائیں تو اللہ ان کی قسموں کو ضرور پُورا کرتا ہے۔" (کشف المحجوب)

عارف باللہ مولائے رُوم قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں ؎

ہر کہ دیوانہ بود در ذکرِ حق ! زیر پایش عرش و کرسی نہ طبق

جو شخص ذکرِ حق تعالیٰ میں دیوانہ (محو) ہو جائے۔ عرش و کرسی اور نہ طبق یعنی ساری کائنات اس کے قدموں تلے آجاتی ہے ؎

ہر دمے اُو را یکے معراج خاص بر سر تاجش نہد حق تاج خاص

اس کو ہر لحظہ ایک خاص معراج یعنی ترقیٔ مراتب حاصل ہوتی رہتی ہے اس کے منصبی تاج پر حق تعالیٰ انعام و اعزاز کا خاص تاج رکھ دیتا ہے۔ معراج سے مُراد مرتبۂ قرب ہے چونکہ مراتب قُرب کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے خاصانِ خُدا کو یہ ترقی لحظہ بہ لحظہ علی الدوام ہوتی ہے۔ تاج خاص سے مُراد خلافتِ الٰہی کا اعزاز ہے ؎

صُورتش برخاک و جاں در لامکاں ؛ لامکانے فوقِ وہمِ سالکاں

اس کا ظاہری وجود زمین پر ہے اور رُوح لامکان میں ہے وہ لامکان جو سالکوں کے وہم سے بھی برتر ہے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے: "کسی چیز کے مکان میں متمکن ہونے سے مُراد یہ ہے کہ ایک ممتد شے ایک اور وہمی یا حقیقی امتداد کے اندر سمائی ہو اور اس امتداد کو "مکان" کہتے ہیں"۔ یہ تمکن یا مکانی ہونا اجسام سے خاص ہے۔ ارواح چونکہ جواہر مجردہ سے ہیں اس لئے وہ متمکن نہیں ہیں یعنی لامکان ہیں اس پر یہ سوال پیش ہو سکتا ہے کہ اس معنیٰ میں تو ہر ایک رُوح لامکان ہے تو پھر خاصانِ خُدا کی ارواح کی کیا خصوصیت ہوئی؟ اس کے جواب میں مولانا رُومی نے فرمایا۔ 'لامکاں برتر ز وہم سالکاں' یعنی عُلمائے رسوم کے نزدیک "لامکان" سے جو عالمِ مجردات مراد ہے۔ مذکورہ لامکاں اس سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اور چونکہ وہ ذاتِ حق کی ایک صفت ہے اور اس کی صفات قدیم ہیں اور قدیم کی کُنہہ کوئی دریافت نہیں کرسکتا اس لئے یہ لامکان علمائے رسوم کے وہم وفکر سے بلند ہے اور اس کو عالمِ مکان اور مکانیات یعنی عالمِ اجسام کے ساتھ اور علمائے رسوم کے مزعومہ لامکان یعنی عالمِ مجردات کے ساتھ یکساں معیّت ہے چونکہ انسانِ کامل کو حق تعالیٰ سے قُرب حاصل ہے لہٰذا اس کی صفت لامکانیت سے وہ بھی تعلّق رکھتا ہے ؎

لامکانے نے کہ در وہم آیدت ۔۔۔ ہر دمے در وَے خیالے زایدت

وہ ایسا لامکان نہیں کہ تیرے وہم میں آسکے اور اس کے متعلق تیرے دل میں دَم بہ دَم ایک خیال پیدا ہو ؎

بل مکان ولامکاں در حکمِ اُو ۔۔۔ ہمچو در حکمِ بہشتی چار جُو

بلکہ مکان اور لامکان اس کے حکم میں ہیں جس طرح اہلِ جنّت کے حکم میں چار نہریں ہونگی یعنی وہ اعلیٰ لامکان جو حق تعالیٰ کی صفت ہے اور اسی لئے قدامت

کے ساتھ متّصف ہے۔ عالمِ مادّیات اور عالمِ مجرّدات دونوں پر حاوی ہے لہٰذا اس لامکان سے تعلق رکھنے والا بھی جو خلیفۃ اللہ ہے صرف علمائے رسوم کے مزعومہ لامکان ممکن ہی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ وہ مکان و لامکان سب پر حکمران ہے اور اس کا فیض کُل عالم کو پہنچتا ہے۔

میرسد فیضِ سُبک رُوحاں بہ اطرافِ جہاں
میشود آفاق روشن صبح چوں خنداں شود

(صائب علیہ الرحمۃ۔ مفتاح العلوم)

واضح رہے کہ ان اعلیٰ و ارفع مقامات تک رسائی کے لئے وسیلۂ مُرشد لازم ہے جو قدم بہ قدم اور لحظہ بہ لحظہ سالکِ راہِ طریقت کی رہنمائی و نگہبانی کرے اس لئے کہ یہ راستہ نہایت دشوار گذار اور پُرخطر ہے۔ نفس امّارہ اور شیطان لعین اکیلے راہرو کو منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی ہزاروں لاکھوں حیلوں سے بھٹکا دینے کی سرتوڑ کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اکیلا راہرو جو اس راہ کے نشیب و فراز سے بے خبر ہوتا ہے اکثر اوقات اُن کے دامِ فریب میں آکر بھٹک کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ مرشد رُومی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں ؎

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

پیر کا توسّل اختیار کرو کیونکہ پیر کے بغیر سلوک و طریقت شرورِ نفس و شیطان کی بڑی آفات اور خوف و خطر سے پُر ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں ؎

راہ بس باریک و شب تاریک و دُزداں درکمین
بے دلیلے عزم رہ کردن دلیلِ ابلہی است

راستہ نہایت باریک (نازک) ہے۔ رات کا اندھیرا ہے اور چور ڈاکو گھات میں ہیں۔ ایسی حالت میں کسی رہنما کے بغیر اس راہ میں عزم سفر کر لینا بے وقوفی کی علامت ہے۔" ؂

آں رہے کہ بارہا تو رفتۂ
بے قلاوز اندر آں آشفتۂ

دیکھو! جس راہ پر تم بارہا چل چکے ہو۔ بسا اوقات اس میں رہبر کے نہ ہونے سے پریشانی اُٹھا چکے ہو۔

پس رہے را کہ ندیستی تو ہیچ
ہیں مرو تنہا ز رہبر سَر مپیچ

پس جس راستہ کو تم نے کبھی بھی نہ دیکھا ہو اُس پر تنہا ہرگز نہ چلنا اور رہبر سے انحراف نہ کرنا۔ بعض اوقات راہرو جب کہ وہ تنہا ہو کسی ایسے راستہ میں بھی دھوکا کھا جاتا ہے جو اس نے بارہا طے کیا ہو۔ پس خیال کرو کہ جو راستہ اُس نے کبھی دیکھا ہی نہیں اور اس سمت کو کبھی جانے کا اتفاق ہی نہیں ہوا اس پر تنہا چلنے میں اس کے بھُول جانے اور مبتلائے آفات ہونے کا کس قدر احتمال ہے ایسی نادیدہ راہ کی سب سے زیادہ روشن مثال راہِ سلوک ہے جس پر راہبر کے بغیر ہرگز نہیں چلنا چاہیئے ؂

ہر کہ اُو بے مُرشدے در راہ شد
اُو ز غولاں گمرہ و در چاہ شد

جو شخص کسی مُرشد کے توسّل کے بغیر راہِ سلوک پر چل پڑا وہ اکثر شیاطین کے اغوا سے گمراہ اور ہلاک ہو گیا ؂

گر نہ باشد سایۂ پیر اے فضول
بس ترا سرگشتہ دارد بانگِ غُول

اے فضول پسند آدمی! اگر تمہارے سر پر مُرشد کی تعلیم و توجّہ کا سایہ نہ ہو تو شیطان کے خطرات اور وسوسوں کی آواز جو تمہارے دل میں گونجتی رہے گی

تم کو بہت پریشان رکھے گی ؂

غُولت از راہ افگند اندر گزند　　　از تُو داہی تر دریں رہ بس بُدند

شیطان تم کو صراطِ مستقیم سے بہکا کر ہلاکت میں ڈال دے گا۔ اس راستہ میں بہت سے لوگ تم سے بھی زیادہ ہشیار گامزن ہو چکے ہیں جن کو شیاطین نے گمراہ و ہلاک کیا ہے۔

مُرشد کے بغیر گمراہ ہونے کی وجہ جاہل کے لئے تو یہ ہے کہ اس کو شریعت کا علم نہیں ہوتا۔ ذرا قلب میں ذکر سے کوئی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اپنے آپ کو صاحبِ کمال سمجھنے لگتا ہے اور متکبرانہ خیال اس کے لئے موجبِ وبال بن جاتا ہے کچھ کشف ہونے لگا اور اس کی حقیقت نہ سمجھی تو اپنے کشف کے اعتماد پر کسی امرِ شرعی کا انکار کرنے لگتا ہے۔ کوئی شیطانی خواب نظر آگیا کہ فلاں گناہ کرلو تو اس کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے خصوصاً جب وہ اپنے باطنی ذوق و شوق میں یا کشف میں کمی نہیں پاتا تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ فعل جب باطنی کیفیات کو مضر نہیں تو ضرور حلال ہوگا۔ حالانکہ یہ کیفیات اگر مخالفتِ شرع کے ساتھ ہوں تو قابلِ اعتبار نہیں ہوتیں اور یہ کیفیات جو ریاضت کا ثمرہ ہیں اس فعل کے مقبول و مستحسن ہونے کی دلیل نہیں ہیں۔

اگر وہ شخص عالم ہے تو شیطان اس پر اس طرح تسلط کرتا ہے کہ اوّل کسی ایسی طاعت کی طرف بُلاتا ہے جس کا انجام کوئی معصیت ہوتی ہے یا ریاضت میں اعتدال نہیں رہنے دیتا اور اس سے جسمانی ضرر ہوتا ہے جو بہت سی طاعاتِ ضروریہ کے ترک و تخلف کا باعث بن جاتا ہے کبھی دقائق معصیت تک نظر نہیں پہنچنے دیتا اس لئے وہ شخص ایسے معاصی میں مبتلا رہتا ہے کبھی اپنے معاصی کے

محسوس و معلوم ہونے پر پھر شیطان یہ شرارت کرتا ہے کہ مرض تو کچھ ہوتا ہے اور اس کا چارہ و علاج کچھ اور تجویز کرتا ہے جس سے اس کا نفسانی اور روحانی مرض اور بھی ترقی پذیر ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات عقائد میں وسوسہ ڈالتا ہے اور دلیل کے مقدمات میں خدشہ پیدا کرتا ہے حتیٰ کہ اس کو کسی بدعت کا معتقد یا زندقہ و الحاد کا مرتکب بنا دیتا ہے۔

ملتِ اسلام میں بہتّر گمراہ فرقے اسی طرح عالموں کی کج فہمی اور اغوائے شیطان سے پیدا ہوئے ہیں۔ بعض اوقات شیطان اس شخص کو تردّد میں ڈال دیتا ہے کہ میرے لئے کونسا عمل بہتر ہوگا کبھی ایک کو چھوڑتا ہے اور کبھی دوسرے کو اختیار کرتا ہے اور کبھی دوسرے کو چھوڑ کر تیسرے کو لاتا ہے اور اس طرح اس کو کسی عمل پر دوام و استقامت نہیں ہوتی اور اس کی برکات حاصل نہیں ہوتیں۔

پس شیطان کے ان سب شرور و مفاسد کا سدِ باب یہ ہے کہ شیخ کامل سے بیعت کی جائے جو ان تمام مشکلات کا چارہ و تدبیر جانتا ہے۔ ذکر و طاعات کا حقیقی مقصد تعلق مع اللہ کا قیام ہے۔ ذکر جو رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر کیا جائے اس سے بعنایت الٰہی خود بخود تعلق مع اللہ قائم ہو جاتا ہے۔ پس ذکرِ کثیر کے باوجود مکاشفات و کرامات اگر حاصل نہ ہوں تو اس سے مایوس ہو کر ذکر اللہ کو ترک نہیں کر دینا چاہیئے کہ یہ خسران و محرومی کی دلیل ہے۔ یہ امر ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ:

تمام عبادات کا نچوڑ در اصل ذکرِ حق تعالیٰ ہی ہے

اور ذکرِ حقیقی یہ ہے کہ تمام اوامر و نواہی میں یعنی تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں اور گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ و رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے احکام کو بہ دل وجان بجالائیں اور اگر کسی کا ذکر اِن اُمور سے خالی ہے تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس کا ذکر درصل ذکر ہی نہیں بلکہ محض نفس کی باتیں ہیں جنہیں حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں، پس اگر ذاکر کو ذکرِ کثیر کے باوجود اولیاء اللہ کے احوال و مقامات تک رسائی نہ ہوسکے تو اپنی خامیوں یا رہبر و مرشد کے ناقص ہونے کی وجہ سے سمجھے اور ذکر سے ہرگز غافل نہ ہو کہ ذکر کی توفیق حاصل ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے چنانچہ عارف رومی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز نے مثنوی شریف میں ایک قصہ بیان فرمایا ہے کہ ایک ذاکر کو شیطان نے بہکایا کہ تم کو تہجّد پڑھتے، ذکر و فکر کرتے برسہا برس گذر گئے مگر اللہ کی طرف سے اجابت کا کچھ اظہار نہ ہوا۔ نہ پیام ہے نہ سلام ہے، جب وہ پوچھتا ہی نہیں تو خواہ مخواہ سر مارنے سے کیا فائدہ؟۔ یہ وسوسہ آنا تھا کہ رات کو تہجّد و ذکر و فکر سب کچھ موقوف کر دیا۔ مگر چونکہ خدا کا مقبول بندہ بن چکا تھا اور اسے اپنی حالت کی خبر نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے دستگیری کی کہ خواب میں ایک لطیفۂ غیبی نے آکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال کیا، آج تم نے ہم کو کس لئے بھلادیا؟ اس نے شیطان کا وہی وسوسہ بتادیا کہ آپ کو یاد کرتے کرتے کئی برس گزر گئے جب آپ نے خبر ہی نہ لی تو میں نے سوچا کہ مجھے بھی سر مارنے کی کیا ضرورت ہے؟ لطیفۂ غیبی نے جواب دیا:

گفت آں اللہ تو لبّیک ماست   دیں نیاز و سوز و درد ت پیک ماست

کہ ایک بار اللہ کہہ کر جو تم کو دوبارہ اللہ کہنے کی توفیق مل گئی تو یہی ہمارا

ہمارا جواب ہے اگر پہلا ذکر قبول نہ ہوتا تو ہم تیری زبان ذکر سے بند کر دیتے یہ تیرا نیاز اور سوز و درد ہی ہمارا پیام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر و فکر و عبادت کی توفیق ملنا بھی مقبولیت کی علامت ہے۔ ورنہ بہت سے ایسے بندے ہیں جن کو ذکر اور نماز وغیرہ عبادات کی طرف توجّہ ہی نہیں ہوتی۔ ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کے لئے مسجد میں چلے آنا یہ اس امر کی علامت ہے کہ پہلی نماز قبول ہوگئی ورنہ دوبارہ اس کی توفیق ہی نہ ملتی اور مسجد میں دوبارہ نہ آتا۔ جو لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں اور ذکر و فکر کرتے ہیں مگر ہم کو کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا یہ ان کی غلطی ہے نادانی کی علامت ہے اگر سوچیں تو یہ نفع اور اثر یہ کیا کم ہے کہ نماز پڑھ رہے ہیں اور ذکر و فکر کر رہے ہیں۔ اپنی اس حالت پر اللہ کا شکر کرنا چاہیئے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کیا خوب فرماتے ہیں ؎

منّت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمے کنی   منّت شناس ازو کہ بخدمت گذاشتت

"اِس بات پر احسان نہ جتا کہ تُو سلطان کی خدمت بجا لا رہا ہے یہ اس کا احسان سمجھ کہ اس نے تجھے اپنی خدمت میں لگا رکھا ہے"۔ معلوم ہوا کہ ذکر و فکر اور عبادت کرنے والا اپنی حالت پر مغرور نہ ہو اور ناز بھی نہ کرے کہ یہ سب کچھ اپنی مرضی اور ہمّت سے کرتا ہے بلکہ اللہ کی نظرِ عنایت پر نظر رکھے ؎

بحرے ست بحرِ عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
آنجا جُز ایں کہ جاں بہ سپارند چارہ نیست

حضرت امام غزالی قدسنا اللہ باسرارہٗ العزیز کی نصیحت

"پس اگر کوئی شخص فنا و نیستی کے درجے پر نہ پہنچ پائے اور یہ احوال و

مکاشفات اس پر ظاہر نہ بھی ہوں لیکن ذکرِ حق اس پر غالب آجائے تو یہ بھی کیمیائے سعادت سے کم نہیں کیونکہ جب ذکرِ حق غالب ہوجائے تو حق تعالیٰ سے اُنس و محبّت بھی از خود غالب ہو کر رہتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو تمام دُنیا سے اور دُنیا کی ہر چیز سے عزیز رکھنے لگتا ہے اور اصل سعادت یہی ہے کہ جب اس کا رجوع حق تعالیٰ کی طرف رہے گا اور اسی کی صُورت ہر دم پیش نظر ہوگی تو لامحالہ موت کے وقت مشاہدۂ حق کی بدولت تکلیف نزع کی بجائے کمالِ لذّت و راحت اسے حاصل ہوگی اور اسی قدر زیادہ ہوگی جس قدر کہ محبّتِ الٰہی اس کے دل میں جاگزیں ہوگی اور وہ شخص جس نے دُنیا ہی کو اپنا محبوب بنا رکھا ہو تو اُسے دُنیا کی جدائی کا رنج و درد باعثِ عذاب ثابت ہوگا اور اسے دُنیا سے محبّت جس قدر زیادہ ہوگی وقتِ مرگ اس سے جُدائی کا رنج بھی اتنا ہی شدید ہوگا۔ پس اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا ذکرِ کثیر کرنے کے باوجود ان احوال و مکاشفات سے محروم رہے جو صوفیاء کو نصیب ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ذکرِ حق سے متنفر ہی ہوجائے کیونکہ سعادت کا انحصار فقط ان احوال کے مکاشفے پر نہیں ہے۔ اس لئے کہ دل اگر نورِ ذکر سے آراستہ ہوجائے تو کمالِ سعادت سمجھو کہ حاصل ہوگیا۔ اور جو کچھ اِس دُنیا میں وہ نہیں دیکھ سکا مَرنے کے بعد دیکھ لے گا۔ لہٰذا چاہیئے کہ مراقبۂ دل کا التزام ہمیشہ جاری رکھے تاکہ وہ دل حق تعالیٰ کے ساتھ رہے اور کبھی تغافل کا شکار نہ ہونے پائے کہ ذکرِ دوام ہی وہ کلید ہے جو ملکوتی عجائب اور حضورِ خداوندی کے دروازہ کو کھول سکتی ہے۔"

("کیمیائے سعادت")

انسان میں کمال کی بات کون سی ہے؟

حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی "حضور! آج میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ دریا میں پانی کی سطح پر چلتا ہوا جا رہا تھا" آپ نے فرمایا۔ "یہ کچھ کمال کی بات نہیں، پانی پر تو مینڈک، مرغابی اور تنکے بھی تیرتے پھرتے ہیں۔ اگر اشرف المخلوقات انسان میں مینڈک، مرغابی اور خس وخاشاک کے برابر صفت پیدا ہوگئی تو یہ کونسا کمال ہے؟" پھر اس شخص نے عرض کی۔ "حضرت میں نے اس کو ہوا پر اُڑتے ہوئے بھی دیکھا" فرمایا۔ "یہ بھی کوئی کمال کی بات نہیں ہے، ہوا میں چیل، کوّے، مکھّی، مچھر بھی اُڑتے ہیں، اگر جانوروں کی صفت "خلیفۃ اللہ" میں آگئی تو کمال کی کیا بات ہوئی؟"۔ وہ شخص بولا۔ "قبلہ! میں نے اس کو ذرا سی دیر میں کہیں سے کہیں جاتے دیکھا" فرمایا۔ "یہ بھی کوئی کمال نہیں کہ شیطانِ لعین چشم زدن میں شرق سے غرب میں اور غرب سے شرق میں، شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال میں پہنچ سکتا ہے۔ جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت کا شرف عطا کیا اور وَلقد کرمنا بنی آدم کا تاج پہنایا۔ اس میں اگر شیطانِ لعین جیسی کوئی صفت آگئی تو یہ کوئی کمال کی بات تو نہ ہوئی"۔ اس شخص نے حضرت ابوسعید ابوالخیر علیہ الرحمۃ سے پوچھا۔ "تو پھر حضور! انسان میں کمال کی بات کونسی ہے؟" فرمایا۔ "مومن ہو۔ اہل وعیال رکھتا ہو۔ رزقِ حلال کما کر کھاتا اور کھلاتا ہو۔ اتّباعِ سُنّت میں مستحکم ہو اور کسی حال میں کسی وقت خُدا سے غافل نہ ہو۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ

عَنۡ ذِکۡرِ اللہِ کی صفت سے متصف ہو" کہ اللہ جلّ شانہٗ نے فرمایا۔ وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے"۔ (تذکرۃ الاولیاء)

اُڑاؤ عیش کرو عشرتیں بہت پھُولو | پھرو جہاز میں موٹر کی گود میں جھُولو
اُڑو بلندی پہ اتنا فلک کو بھی چھُو لو | خدا کے واسطے لیکن خدا کو مت بھُولو

نے گویم کہ از دنیا جُدا باش | بہر جائیکہ باشی با خدا باش

میں یہ نہیں کہتا کہ معاملاتِ دنیوی سے جُدا ہو کر بیٹھ جا بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ تُو جہاں کہیں بھی ہو خدا تعالیٰ کی معیت میں رہ۔ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "انا جلیس من ذکرنی"۔ میں اُس کا جلیس ہوں جو مجھے یاد رکھتا ہے، میری یاد میں رہتا ہے، ہر دَم ذکرِ لسانی اور ذکرِ قلبی میں مصروف و مشغول رہتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ ع دست بہ کار دل بہ یار۔ کاروبار میں رہتے ہوئے دل یار سے لگائے رہے۔ تمام معاملات میں رضائے الٰہی کا حصول اس کے پیشِ نظر ہو اور رضائے الٰہی کا حصول بھی اُسی وقت ممکن ہے جبکہ مومن اتباعِ سُنّتِ رسُول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم میں ثابت قدم رہے عشقِ رسُول میں مستغرق ہو اور آدابِ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بجا آوری میں کسی قسم کی کوتاہی ہرگز نہ کرے۔ خوب یاد رکھیئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا محبوبِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی رضا ہی میں منحصر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَاللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗۤ اَحَقُّ اَنۡ یُّرۡضُوۡہُ اِنۡ کَانُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ۝ (پ ۱۰ ع ۱۴)

اللہ و رسُول کا حق زائد تھا کہ اُسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے۔

اہل اللہ کا طریقہ ذکرِ دوام

اہل اللہ کا یہ طریقہ ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر حالت میں صنائع اور قدرت وغیرہ صفاتِ الٰہیہ کے مراقبے میں محو رہتے ہیں۔ یہ مراقبہ کرتے کرتے ان کو اس قدر ملکہ ہو جاتا ہے کہ جو کام کرتے ہیں اس میں جتنی صفاتِ الٰہیہ اُس کام سے متعلق ہیں سب پیش نظر ہو جاتی ہیں۔ توحیدِ افعال وصفات وذات جس طرح قرآن مجید اور حدیث میں وارد ہے اس پر اُن کا پُورا پُورا اعتقاد ہوتا ہے اور موقع بہ موقع اس کو عمل میں لاتے ہیں۔ اُنکی عقلیں تسلیم کرلیتی ہیں کہ خُدا تعالیٰ کی ذات وصفات تک اپنی رسائی ممکن نہیں

بحرِ مطلق چوں درآید در قیود　　زانکہ نامحدود ناید در حدُود

یعنی تمام عالَم محدود ہے اور خالق نامحدود۔ تو نامحدود محدود میں کیونکر آئے۔ بحرِ ناپیدا کنار برتنوں میں کیونکر سمائے؟

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں اُن سے متعلق جو خبر دی ہے اُس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں جیسا کہ خُدا تعالیٰ فرماتا ہے: "الٓمٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ"۔ وہ بلند رُتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں، ہدایت ہے ڈر والوں کو جو بے دیکھے ایمان لائیں"۔ جو بات عقل سے باہر اور سمجھ سے ورا ہو، اس کو نہ مان کر بتادیں اپنی سمجھ کے مُطابق بنائی جائے تو ایمان بالغیب سے اس کو کیا تعلّق؟ غرضکہ، اللہ والوں کو مصنوعاتِ الٰہیہ میں خواہ وہ آفاق میں ہوں یا ان ہی کے نفسوں میں تفکّر کرتے کرتے یہ ملکہ

ہوجاتا ہے کہ اپنے ہر کام میں صفات و افعالِ الٰہیہ کا مشاہدہ کیا کرتے ہیں جیسا کہ اس آیۃ مبارکہ سے واضح ہوجاتا ہے: اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۚ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ (پ ۴ ع ۱۱) بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے (جو صانع قدیم، علیم، حکیم، قادر کے وجود پر دلالت کرتی ہیں) جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے (یعنی تمام احوال میں) اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (اور اس سے ان کے صانع کی قدرت و حکمت پر استدلال کرتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ) اے رب ہمارے تُو نے یہ بیکار نہ بنایا بلکہ اپنی معرفت کی دلیل بنایا۔ (خزائن العرفان)

وفی کل شیءٍ لہٗ آیۃ   تدل علیٰ انہٗ واحد

ہر شے میں اس کی نشانی موجود ہے جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔ مصلح الدین شیخ سعدی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں ؎

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار   ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

صاحب عقل و ہوش کی نظر میں سرسبز درختوں کے پتے معرفتِ الٰہی کے لئے ہر ورق ایک دفتر ہے۔

صحابۂ کرام علیہم الرضوان جو سرکار دو عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے براہِ راست فیض یافتہ تھے اور ان کے متّبعین اہل اللہ علیہم الرحمۃ جنہوں نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے فیض حاصل کیا۔ اس آیۃ کریمہ پر پُوری طرح

عامل رہے۔ اب غور کیا جائے کہ آدمی جو کام بھی کرے گا وہ لیٹ کر کرے گا یا بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر غرضکہ ان تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں کریگا پھر جب اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ہر حالت میں وہ اللہ کا ذکر کیا کرتے ہیں، تو اگر اس کے معنی یہ خیال کئے جائیں کہ وہ لا الٰہ الا اللہ وغیرہ اذکار کیا کرتے ہیں تو لازم آئے گا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ان کے بعد آنے والے اہل اللہ کوئی دوسرا کام کرتے ہی نہ تھے حالانکہ کسبِ معاش، اہل وعیال کے ساتھ معاملات، ملاقاتِ احباب، جہادِ فی سبیل اللہ اور تعلیم و تعلّم وغیرہ صدہا کام کیا کرتے تھے۔ اس صورت میں ذکر سے مراد صرف ذکرِ لسانی ہی نہیں ہے کیونکہ ذکر کے معنے لغت میں یاد کرنے کے ہیں جو دل کا فعل ہے اور یہ ذکر کامل الایمان حضرات ہمیشہ کیا کرتے ہیں۔ اِس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (پ۲۶ ع۱۸) اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کو (جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت و حکمت پر دلالت کرتی ہیں) اور خود تم میں (تمہاری پیدائش اور تمہارے تغیّرات میں اور تمہارے ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ایسے بے شمار عجائب و غرائب ہیں جن سے بندے کو شانِ خُدائی معلوم ہوتی ہے) تو کیا تمہیں سُوجھتا نہیں؟" عارف باللہ مولانا رومی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں ؎

تن بہ جاں جنبد نہ مے بینی تو جاں — لیک از جُنبیدنِ تن جاں بداں
پس یقیں در عقل ہر دانندہ ہست — ایں کہ باجنبیدہ جنبانندہ ہست

(مثنوی معنوی)

بدن رُوح کی موجودگی سے حرکت میں آتا ہے اگرچہ رُوح دکھائی نہیں دیتی لیکن چونکہ بدن حرکت کر رہا ہے مختلف کام سر انجام دے رہا ہے تو جان لے کہ رُوح موجود ہے اگر بدن میں رُوح موجود نہ ہو تو جسم حرکت نہ کر سکے' پس اسی دلیل سے ہر عاقل یقین رکھتا ہے کہ جبکہ زمین و آسمان کی تمام اشیاء ایک نظم و ضبط کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہی ہیں' کارخانۂ عالَم چل رہا ہے تو ضرور کوئی چلانے والا موجود ہے خود بخود نہیں چل رہا کوئی چلانے والا چلا رہا ہے۔ کوئی متحرّک بغیر کسی محرّک کے حرکت نہیں کر سکتا۔ وہ خود تو دکھائی نہیں دے رہا مگر اس کی قدرت کے آثار تو دکھائی دے رہے ہیں اُسکی نشانیاں تو ظاہر ہیں ؎

گر تُو او را مے نہ بینی در نظر فہم کن امّا بہ اظہارِ اثر

اگر تُو اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتا تو اس کی مخلوقات میں غور کر اثر کو دیکھ کر مؤثر کے وجود کا یقین کر' اسے اس کی نشانیوں سے پہچان لے' جو کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں۔

پس اہلِ عقل و دانش کارخانۂ عالَم اور خود اپنے وجود کے آثار اور نشانیوں پر غور کرتے ہیں تو ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان تمام اشیاء و مخلوقات کا خالق ہے اور وہ ایک ہے۔ اگر دو یا دو سے زیادہ ہوتے تو نہ کائناتِ عالَم وجود میں آسکتی اور نہ کارخانۂ عالَم اس عظیم نظم و ضبط کے ساتھ چل سکتا۔ وہی اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے جس کی یہ شان ہے کہ یُدَبِّرُ الامرَ کلّہٗ۔ تمام امور کی تدبیر فرماتا ہے اور یفعل اللہ مایشاء ویحکم مایرید۔ جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے اپنے ارادہ سے تمام فیصلے فرماتا ہے۔ پس عقل و درایت سے

ثابت ہوا کہ جتنے کام تمام عالم میں اور آدمی کے جسم میں ہوتے ہیں۔ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تدبیر سے ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اہل عقل و دانش ہر کام میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں مگر ہر موقع کا ذکر جُدا ہے مثلاً جب ان سے کوئی ایسا کام صادر ہو جاتا ہے جو خدا کے حکم کے خلاف ہے تو خُدا تعالیٰ کی قہاریت اور انتقام کی صفات ان کے پیش نظر ہو جاتی ہیں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد آجاتا ہے کہ فرمایا: وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (پ۴ ع۵) ”اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں (یعنی ان سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد ہو) اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔“

اسی طرح ہر موقع کا ذکر جُدا ہے اور خاص خاص صفتوں سے وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ کوئی وقت غفلت میں نہیں گذرتا اور کسی کام میں ان کو یادِ الٰہی سے غفلت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے حال کی خبر دیتا ہے کہ فرمایا: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (پ۱۸ ع۱۱) وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے (یعنی ذکرِ لسانی اور ذکرِ قلبی سے) دیکھئے تجارت اور خرید و فروخت جو اعلیٰ درجے کے دنیوی کام ہیں اُن میں بھی اُن حضرات کا ذکر جاری رہتا ہے۔ چنانچہ جب وہ کسی سے کچھ تول کر یا ماپ کے لیتے ہیں یا کسی کو تول کر یا ماپ کر دیتے ہیں تو اُن کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد رہتا ہے کہ فرمایا: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى

النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝

(پ ۳۰ ع ۸) کم تولنے والوں کی خرابی ہے وہ کہ جب اوروں سے ماپ لیں، پورا لیں اور جب اُنہیں ماپ تول کر دیں کم کردیں "۔ اور وہ خُدا کو یاد کر کے خوف سے کانپ جاتے ہیں اور ماپ تول درست رکھتے ہیں، کسی کو دھوکہ دیکر نقصان نہیں پہنچاتے۔ نیز مردانِ حق کے پیشِ نظر ہر وقت یہ ارشادِ حق رہتا ہے کہ فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (پ ۲۲ ع ۱۵) اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج (یعنی اس کے فضل و احسان کے حاجتمند ہو) اور اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا "۔ اس آیۃ مُبارکہ کے مضمون کو یاد کر کے ہر آن خود کو اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کے محتاج یقین کرتے ہیں، وہ تجارت اور کاروبار پر ہی اعتماد کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے بے نیاز نہیں ہوجاتے۔ اُن کو جس چیز کی احتیاج ہوتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہماری حاجت روائی فرمانے والا ہے وہی محتاجُ الیہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی اُنکے پیشِ نظر رہتا ہے: لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى (پ ۲۷ ع ۷) "اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش "۔ اس لئے وہ محنت، مزدوری اور تجارت وغیرہ امور میں سعی کرتے ہیں اور اس سعی میں أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ کا تصوّر بھی مستحضر رہتا ہے پھر اگر مقصود حاصل ہو گیا تو ان کو اس حاجت روائی میں بڑی خوشی اس بات کی ہوتی ہے کہ ہمارے مالک نے ہم پر یہ فضل اور مہربانی کی کہ ہماری سعی بیکار نہ گئی۔ اس فضل کی اتنی خوشی اُن کو ہوتی ہے کہ اُس چیز کے یا روپے کے ملنے سے نہیں ہوتی جو خرید و فروخت یا دیگر کسی کاروبار میں

مقصود ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت سے مفہوم ظاہر ہوتا ہے : قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ؕ (پ ۱۱ ع ۱۱) تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیئے کہ خوشی کریں" (ایمان والوں کو اللہ کے فضل و رحمت پر خوش ہونا چاہیئے) وہ بہتر ہے اُس چیز سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ (کنز الایمان) دیکھئے یہ ذکر کس قدر وسیع اور مؤثر ہے کہ ابتدائے احتیاج سے حاجت روائی تک جاری رہا اور آخر میں فضلِ الٰہی کا اس درجہ ممنون بنایا کہ اعلیٰ درجہ کے تقرّب کا باعث ہے اور اُدھر ظاہری سعی سے حاجت روائی بھی ہوئی اور ہم خرما وہم ثواب کا مضمون صادق آگیا۔ ممکن تھا کہ غفلت کی حالت میں بھی سعی سے کام نکل آتا مگر وہ مرتبہ جو آیۃ مبارکہ "فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ (پ ۲ ع ۲) تم میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا" سے ہوتا ہے کہاں سے حاصل ہو سکتا؟ دیکھئے اہل اللہ یوں ترقیاں کرتے ہیں اِدھر دُنیا بھی حاصل ہوئی اور اُدھر ترقئ مدارج ایمانی و رُوحانی و تقرّب خُداوندی بھی ہوتی گئی۔ دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی پا گئے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے : مَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِیْبٍ ○ (پ ۲۵ ع ۴) جو آخرت کی کھیتی چاہے (جس کو اپنے اعمال سے نفع آخرت مقصود ہو) ہم اس کے لئے اس کی کھیتی بڑھائیں (اس کو نیکیوں کی توفیق دیکر اور اس کے لئے خیرات وطاعات کی راہیں سہل کر کے اور اس کی نیکیوں کا ثواب بڑھا کر) اور جو دنیا کی کھیتی چاہے (جس کا عمل محض دُنیا حاصل کرنے کے لئے ہو اور وہ آخرت پر ایمان

نہ رکھتا ہو۔ (تفسیر مدارک) ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے (دُنیا میں جتنا اس کے لئے مقرر کیا ہے) اور آخرت میں اس کا کچھ حصّہ نہیں"۔ کیونکہ اس نے آخرت کے لئے عمل کیا ہی نہیں۔ (خزائن العرفان)

جب صادق الایمان حضرات کو روزی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ۔ (پ ۲۰ ع ۱۴) تو اللہ کے پاس رزق ڈھونڈو"۔ مگر یہ طلب اکثر اسی طریقہ سے ہوتی ہے جس کا حال ابھی مذکور ہوا وہ جانتے ہیں کہ سوائے اللہ کے کوئی روزی دینے والا نہیں۔ بہ سبب مصلحت کسی کو کم دیتا ہے کسی کو زیادہ۔ کما قال اللہ تعالیٰ: "اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ۔ (پ ۱۳ ع ۹) اللہ جس کے لئے چاہے رزق کشادہ اور جس کے لئے چاہے رزق تنگ کرتا ہے"۔ غرضکہ ہر حالت میں خواہ افلاس ہو یا تونگری وہ اللہ تعالیٰ ہی کو یاد کرتے ہیں۔ کسی ذریعہ سے اگر قدرے قلیل کچھ مل گیا تو اللہ کی رزّاقیت ان کے پیش نظر ہو جاتی ہے۔ کما قال اللہ عزّ وجل: "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (پ ۱۲ ع ۱) اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا جاندار نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر نہ ہو"۔ اس ذریعے کو رازقِ حقیقی نہیں سمجھ لیتے بلکہ محض ذریعہ اور وسیلہ ہی سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھ جاتے ہیں کہ جس اندازہ کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم پر لیا ہے وہ ہمیں اس ذریعہ سے مل گیا اور اگر ضرورت سے زیادہ مل گیا تو یہ خیال کرتے ہیں کہ: "اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (پ ۳ ع ۱۲) بے شک اللہ جسے چاہے بے گنتی دے"۔ پھر اگر مال اُن کے پاس ضرورت سے زیادہ جمع ہو گیا تو خدا کو یاد کر کے بندگانِ خُدا کا حصّہ

اُس میں سے علیحدہ کر کے زکوٰۃ ادا کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ - نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو"

بطیبِ خاطر زکوٰۃ ادا کرنے کے علاوہ اپنے والدین، رشتہ داروں، اعزّہ و اقارب اور ان سب کے حقوق ادا کرنے میں بُخل نہیں کرتے جن کے حقوق کی ادائگی کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ان کو حق تعالیٰ کا فرمان یاد آتا ہے کہ فرمایا: "وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۟ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۟" (پ ۵ ع ۳) اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ (نہ جاندار کو نہ بے جان کو نہ اس کی ربوبیت میں نہ اس کی عبادت میں) اور ماں باپ سے بھلائی کرو (ادب و تعظیم کے ساتھ) اور ان کی خدمت میں مستعد رہنا اور ان پر خرچ کرنے میں کمی نہ کرو۔ مسلم شریف کی حدیث ہے: سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔ اس کی ناک خاک آلود ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کس کی یارسول اللہ؟ فرمایا: جس نے بوڑھے ماں باپ پائے یا ان میں سے ایک کو پایا اور جنّتی نہ ہوگیا۔ اور حدیث شریف میں ہے رشتہ داروں کے ساتھ اچھے سلوک کرنے والوں کی عمر دراز اور رزق وسیع ہوتا ہے (بخاری و مسلم)۔ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیموں کی سرپرستی کرنے والا ایسے قریب ہوں گے جیسے انگشتِ شہادت اور

بیچ کی انگلی ۔ (بخاری شریف) حدیث ۔ سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ بیوہ اور مسکین کی امداد و خبر گیری کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کے مثل ہے اور پاس کے ہمسائے اور دُور کے ہمسائے (سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ) جبرئیل مجھے ہمیشہ ہمسایوں کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید کرتے رہے اس حد تک کہ گمان ہوتا تھا کہ ان کو وارث قرار دیں۔ (بخاری و مسلم) اور کروٹ کے ساتھی (یعنی بیوی یا جو صحبت میں رہے یا رفیق سفر ہو یا ساتھ پڑھے یا مجلس و مسجد میں برابر بیٹھے) اور راہ گیر (اور مسافر و مہمان، حدیث ۔ جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھے اُسے چاہیئے کہ مہمان کا اکرام کرے (بخاری و مسلم) اور اپنی باندی غلام سے (کہ انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دو اور سخت کلامی نہ کرو اور کھانا کپڑا بقدر ضرورت دو۔) حدیث ۔ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ۔ جنّت میں بدخلق داخل نہ ہوگا (ترمذی) بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اِترانے والا، بڑائی مارنے والا (متکبّر خود بیں جو رشتہ داروں اور ہمسایوں کو ذلیل سمجھے) جو آپ بُخل کریں اور اوروں سے بُخل کے لئے کہیں (بُخل یہ ہے کہ خود کھائے دوسرے کو نہ دے، شُح یہ ہے کہ نہ کھائے نہ کھلائے، سخا یہ ہے کہ خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے، جُود یہ ہے کہ آپ نہ کھائے دوسرے کو کھلائے) اور اللہ نے جو انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اُسے چھُپائیں اور کافروں کے لئے ہم نے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔" یہ اہل اللہ مستحقین کی مالی مدد محض حصولِ رضائے الٰہی کی نیّت سے کرتے ہیں۔ نام و نمود یا احسان جتانے کے لئے نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان کے پیشِ نظر رہتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ (پ ۳ ع ۴)۔

اے ایمان والو! اپنے صدقے باطل نہ کردو احسان رکھ کر، اور ایذا دے کر (یعنی جس طرح منافق کو رضائے الٰہی مقصود نہیں ہوتی۔ وہ اپنا مال ریاکاری کے لئے خرچ کر کے ضائع کر دیتا ہے اس طرح تم احسان جتا کر اور ایذا دیکر اپنے صدقات کا اجر ضائع نہ کرو) اس کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرے اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہ لائے تو اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے ایک چٹان کہ اس پر مٹی ہے اب اس پر زور کا پانی پڑا جس نے اسے نرا پتھر کر چھوڑا (یہ منافق ریاکار کے عمل کی مثال ہے کہ جس طرح پتھر پر مٹی، لیکن بارش سے وہ سب دُور ہو جاتی ہے خالی پتھر رہ جاتا ہے۔ یہی حال منافق کے عمل کا ہے کہ دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ عمل ہے اور روز قیامت وہ تمام عمل باطل ہوں گے کیونکہ رضائے الٰہی کے لئے نہ تھے) ۔ اپنی کمائی سے کسی چیز پر قابو نہ پائیں گے اور اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔ اور اُن کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی رضا چاہنے میں خرچ کرتے ہیں اور اپنے دل جمانے کو (راہِ خدا میں خرچ کرنے پر) اُس باغ کی سی ہے جو بھوڑ پر ہو اُس پر زور کا

پانی پڑا تو دونے میوے لایا پھر اگر زور کا مینھ اُسے نہ پہنچے تو اوس کافی ہے۔ (یہ مومن مخلص کے اعمال کی ایک مثال ہے کہ جس طرح بلند خطہ کی بہتر زمین کا باغ ہر حال میں خوب پھلتا ہے خواہ بارش کم ہو یا زیادہ۔ ایسے ہی با اخلاص مومن کا صدقہ اور انفاق خواہ کم ہو یا زیادہ اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتا ہے) اور اللہ ہمارے کام دیکھ رہا ہے"۔ اور تمہاری نیت و اخلاص کو جانتا ہے۔ (خزائن العرفان) جب نماز کا وقت آیا تو خدا تعالیٰ انہیں یاد آگیا کہ اس وقت کی نماز اس نے فرض کی ہے اور فوراً پڑھ لی۔ اور ماہِ رمضان کا مہینہ آیا تو فوراً خدا یاد آگیا کہ اُس نے "فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ (پ۲ع۷) تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے" فرما کر ہم پر ماہِ رمضان المبارک کے روزے فرض کئے ہیں اور اس کی ادائگی میں مشغول ہو گئے اور جب حج کا موسم آیا خدا یاد آگیا کہ اس نے "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ط (پ۴ع۱) اور اللہ کے لئے لوگوں پر اُس گھر کا حج کرنا ہے جو اُس تک چل سکے"۔ فرما کر ہم پر حج فرض کیا ہے اور صاحب استطاعت ہیں تو حج کی ادائگی کے لئے روانہ ہو گئے۔ غرضکہ ہر وقت اور ہر حالت سے متعلق قرآن و حدیث میں احکام وارد ہیں۔ اُن مواقع میں خدا اُن کو یاد آجاتا ہے اور ان احکام کی ادائگی بصدقِ دل کیا کرتے ہیں۔ جب کوئی کام ان کی مرضی کے مُطابق ہوتا ہے تو اُن کو فوراً یہ خیال آجاتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ کام کیا کیونکہ ہمیشہ اُنکے پیشِ نظر ہے کہ کُل کاموں کا مدار اُسی پر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: "أَلَا إِلَى اللّٰهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ۝ (پ۲۵ع۶) سُنتے ہو؟ سب کام اللہ ہی کی طرف پھرتے ہیں"۔

وقولہٗ تعالیٰ : وَاِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ (پ ۱۲ ع ۱۰) اور اسی کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے۔ یعنی ہر کام کا دار و مدار آخرکار اُسی خدا پر جا کر ٹھہرتا ہے۔ یعنی جتنے ذرائع و وسائل اور اسباب ہیں بمنزلہ آلات ہیں۔ اصل کام کرنیوالا خُدا تعالیٰ ہی ہے وہ مختار ہے جو چاہے کرے۔ جیسا کہ فرمایا: "یفعل اللہ مایشاء و یحکم مایرید یعنی کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور حکم کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے"۔ کسی قاعدے وغیرہ سے وہ ایسا مجبور نہیں کہ اُس کے خلاف وہ کر نہ سکے۔ اور اگر کوئی کام اُن کی مرضی کے مطابق نہ ہو اور اُن کو اُس کی ضرورت ہو تو وہ خُدا کو پکارتے ہیں اور اپنی عرضِ حاجت کرتے ہیں جس کا اُنہیں حکم ہے۔ "اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ط (پ ۲۴ ع ۱۱) مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا"۔ پھر اگر حاجت روائی میں دیر ہوئی تو صبر سے کام لیکر نماز پڑھنے لگتے ہیں جو خاص قسم کی عبادت اور اظہارِ عبودیت ہے بمقتضائے قولہٗ تعالیٰ : "وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ط (پ ۲ ع ۵) صبر اور نماز سے مدد چاہو"۔ اگر اس کام سے مایوس ہو جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کو یاد کر لیتے ہیں : "وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَہٗ بِالْخَیْرِ وَکَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ○ (پ ۱۵ ع ۲) اور آدمی بُرائی کی دعا کرتا ہے (اپنے لئے اور گھر والوں کے لئے، اپنے مال و اولاد کے لئے) جیسے بھلائی مانگتا اور آدمی بڑا جلد باز ہے"۔ اور سمجھ جاتے ہیں کہ وہ کام ہمارے حق میں مُضر تھا۔ پھر خُدا تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہیں کہ صرف اپنے فضل و کرم سے ہمیں اُن آفتوں سے بچایا جو اُس کام سے متعلق تھیں۔ جب اُن پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو کہتے ہیں: "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ط (پ ۲ ع ۳) ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اُسی

کی طرف پھرنا ہے"۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مصیبت اللہ کے حکم سے آئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ (پ ۲۸ ع ۱۶) کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اللہ کے حکم سے"۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کا بھی کسی قدر لگاؤ ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ؕ (پ ۲۵ ع ۵) اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف کرتا ہے"۔ اگر کسی سے ضرر پہنچ جائے تو وہ خیال کرتے ہیں کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ جس سے نقصان پہنچا یا نفع پہنچا یہ ایک ذریعہ ہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس ذریعہ سے نفع یا نقصان پہنچایا ؎

گرچہ تیر از کماں ہمے گذرد　　　از کماندار بیند اہل خرد

اگرچہ تیر کمان سے گذر کرتا ہے مگر اہلِ بصیرت دانشمند یہی دیکھتا ہے کہ کماندار کون ہے جس نے کمان سے تیر چھوڑا اور یہ خیال کر کے کہ آخر ہم بھی خدا کے قصور وار اور معافی کے طلبگار ہیں جس سے نقصان پہنچا اُس کو معاف کر دیتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ: "وَلۡيَعۡفُوۡا وَلۡيَصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَكُمۡ ؕ (پ ۱۸ ع ۹) اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمہاری بخشش کرے"۔ اگر کوئی خطرناک حالت پیش آگئی تو خدا کو اپنا وکیل کر کے کہتے ہیں کہ ہمیں وہ کافی ہے۔ کما قال اللہ عزّوجلّ: "اَلَّذِيۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَـكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا ۖ وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ ۝ (پ ۴ ع ۹) وہ جن

سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لئے جتھا جوڑا تو ان سے ڈرو تو انکا ایمان اور زائد ہوا اور بولے اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز ہے۔" (پ۴ ع۹)

صحابۂ کرام علیہم الرضوان اور ان کے متبعین سلفِ صالحین علیہم الرحمۃ جب جہاد کے میدان میں ہوتے تو کافروں کو قتل کرتے وقت خدا تعالیٰ کے اِس ارشاد کا مراقبہ ہوتا تھا: "قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ (پ۱۰ ع۸) تو ان سے لڑو اللہ انہیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں اور اور انہیں رُسوا کرے گا۔" اس وقت ان کی یہ حالت رہتی تھی کہ گویا عذاب کے فرشتے ہیں جن کو سوائے امتثالِ امرِ الٰہی کے کوئی ذاتی غرض نہیں۔ نہ محبّتِ قرابت جنگ سے مانع نہ مخالفتِ مذہبی اس کا باعث۔ تلوار کا جو وار کرتے ہیں اُس میں بھی یہی خیال کہ خدا تعالیٰ کا عذاب اُتار رہے ہیں اور اپنے اُوپر جو وار پڑتا اُس میں یہ تصوّر کہ رحمتِ الٰہی جوش پر ہے اور پیہم مثلِ باراں نزول کر رہی ہے۔ زبانِ حال پر گویا یہ شعر جاری ہے ؎

سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی
نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت

گویا دیکھ رہے ہیں کہ دشمنوں کی تلواروں کے سایہ تلے جنّت ہے۔

جیسا کہ سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے: "الجنۃ تحت ظلال السیوف۔ جنّت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔" اور اسی انتظار میں ہیں کہ اگر پیامِ اجل آجائے یعنی تلوار یا تیر کا کوئی کاری زخم لگے تو نہایت خوشی سے لبّیک کہتے ہوئے اپنے محبوب کے پاس اُن زندوں کی محفل میں پہنچ جائیں جن کو سعادتِ ابدی حاصل ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ

بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ" (پ ۴ ع ۸) اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز اُنہیں مُردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں اُس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا۔"

ہر بڑھتے قدم کے ساتھ یہ خیال بندھا ہے کہ اپنے محبوب کی طرف بڑھتے جارہے ہیں اور اُدھر سے بھی یہ مژدہ سنایا جارہا ہے کہ "وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ فِىْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ (پ ۲۷ ع ۱۴) اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت لے ہی گئے وہی مقرّب بارگاہ ہیں چین کے باغوں میں"۔ پھر جب کافروں کے لاشوں کو دیکھا تو یہ خیال بھی نہیں کہ ہم نے کچھ کیا بلکہ صاف کہتے ہیں کہ اللہ نے اُن کو قتل کیا ہم نے نہیں کیا۔ کما قال اللہ عزّ وشانہٗ: "فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ" (پ ۹ ع ۱۶) تو تُم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔"

ہر کام میں وہ اپنی مشیّت اور اختیار کو خدا تعالیٰ کی مشیت اور اختیار کے آگے کالعدم سمجھتے ہیں کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ" (پ ۲۹ ع ۲۰) اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ چاہے"۔ کیونکہ جو کچھ ہوتا ہے اُسی کی مشیت سے ہوتا ہے یعنی تمہاری مشیّت وہی ہوگی جو اللہ کی مشیّت ہو۔ اللہ عزّ وجلّ کا ارشاد ہے: "مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ" (پ ۲۰ ع ۱۰) ان کا کچھ اختیار نہیں"۔ اور جو کام ان سے وقوع میں آتا ہے سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اُسے ہم میں پیدا کیا یعنی اللہ تعالیٰ اپنے افعال و صفات کو ہمارے ذریعے تکمیل فرماتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: "وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (پ ۲۳ ع ۷) اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو"۔

غرضکہ اہل ایمان کامل اللہ تعالیٰ کو مختلف طریقوں سے ہر حالت میں یاد کرتے رہتے ہیں جس سے ان کے دل میں اطمینان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" (پ ۱۳ ع ۱۰) سُن لو اللہ کی یاد ہی میں دِلوں کا چین ہے"۔ انہی لوگوں کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔ واضح رہے کہ اس تقریر سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ "اہل اللہ" ذکرِ لسانی نہیں کرتے بلکہ مقصود یہ ہے کہ باوجود ذکرِ لسانی کی کثرت کے ہر کام میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور کوئی کام اُن کو یادِ الٰہی سے مانع نہیں ہوتا۔

سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔" اے خلیفہ رُسول اللہ! میں آپ سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ آپ کس بنا پر ہم سب پر سبقت لے گئے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خلیفہ بن گئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ " پانچ باتیں ہیں جن کی وجہ سے مجھے تم پر سبقت حاصل ہوئی۔ پہلی بات یہ کہ جب میں نے اسلام قبول کرلیا تو میں نے دیکھا کہ دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں جن میں بہت سے آدمی آخرت کے طلبگار ہیں اور بہت سے دنیا کے طالب ہیں تو میں نے اللہ تعالیٰ کی طلب اختیار کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے۔ میں نے دنیا کی کوئی لذّت حاصل نہیں کی۔ مجھ کو جو بھی لذّت حاصل ہوتی ہے وہ اللہ کے ذکر ہی میں حاصل ہوتی ہے اور اللہ کے دین کی خدمت اور معرفتِ الٰہی سے

ایسی لذّت حاصل ہوتی رہی کہ دنیا میں مشغول ہی نہ ہو سکا اور نہ ہی دنیا کی لذّت کو حاصل کیا۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی سیر آب ہو کر کچھ پیا۔ معرفت کے جاتے رہنے سے ڈرتا رہا ہوں۔ (یعنی میں اس خوف سے تلذّذاتِ دنیوی کی طرف کبھی متوجّہ ہی نہیں ہوا کہ کہیں معرفتِ الٰہی میں غفلت نہ ہو جائے)، اور میں دُنیا کو چھوڑ کر چلے جانے تک (اپنی وفات تک) اسی مقام پر قائم رہوں گا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جب ایسی دو باتیں میرے سامنے پیش آجائیں کہ ایک بات میں میرا ذاتی فائدہ اور اپنی رضا ہوتی اور دوسری بات میں اللہ کی رضا ثابت ہوتی تو میں اس بات کو اختیار کر لیتا جس میں اللہ کی رضا پائی جاتی۔ پانچویں بات یہ ہے کہ میں نے حضور اکرم، نبی مکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت کو نہایت اچھے طریقے سے نبھایا اور رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت عزّت وحرمت پر اپنا سب کچھ قربان کرتا رہا یہاں تک کہ حضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے وفات پائی۔" یہ سُن کر حضرت علی رونے لگے اور فرمایا۔ "ابو بکر! یہ بات آپ کو مُبارک ہو، پھر مُبارک ہو۔" (معالی الھمم)۔

طالبانِ حق تین قسم کے ہیں

محبوبِ سبحانی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (دہلوی) قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں: "اُمیدوار (طالبِ حق) کی تین قسمیں ہیں (۱) سالک، (۲) واقف، (۳) راجع۔ 'سالک' وہ ہے جو راہِ سلوک میں مسلسل چلتا رہے۔ 'واقف' وہ ہے جس کو راہِ سلوک میں کوئی وقفہ پیش آجائے۔" اس پر حاضرین

نے پوچھا۔ "کیا سالک کو بھی اس راہ میں وقفہ پیش آجاتا ہے؟" فرمایا۔ "ہاں اُس وقت، جب سالک کو عبادت کرنے میں کوئی کمی یا لغزش ہوجائے جس سے عبادت کا ذوق ولطف ختم ہوجائے تو اس وقت سالک کے لئے بھی وقفہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اس حالت میں اگر سالک فوراً کوئی تدبیر کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرلے تو اپنی اصلی حالت پر رہ سکتا ہے اور اگر خدانخواستہ وہ اپنی موجودہ حالت پر ہی رہے تو پھر اس بات کا سخت خطرہ ہے کہ کہیں "راجع" نہ بن جائے۔" اس کے بعد سالک سے جو سلوک کے راستہ پر چلتے ہوئے لغزشیں ہوجاتی ہیں اُن کو بیان فرمایا کہ وہ کُل سات ہیں: (۱) اعراض۔ (۲) حجاب۔ (۳) تفاصل (۴) سلب مزید۔ (۵) سلب قدیم۔ (۶) تسلّی۔ (۷) عداوت۔ پھر فرمایا۔ محب ومحبوب دو دوست ہیں جو باہم دگر ایک دوسرے کی محبّت میں رہتے ہیں۔ اس حالت میں اگر محب سے کوئی ایسی بات سرزد ہوجائے جو محبوب کو ناپسند ہو تو محبوب اپنے محب سے اعراض کرتا ہے یعنی اپنی توجّہ اسکی طرف نہیں کرتا۔ اس لئے محب کے لئے ضروری ہے کہ وہ فوراً توبہ (رجوع) کرکے عُذرخواہی کرے۔ اس کے نتیجے میں محبوب لازماً اس سے راضی ہوجائے گا۔ لیکن اگر محب اپنی غلطی پر مُصر رہے اور معذرت نہ کرے تو یہ "اعراض" "حجاب" بن جاتا ہے یعنی محبوب اپنے اور محب کے درمیان پردہ ڈال لیتا ہے۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ محب گریہ وزاری، آہ وبُکا کے ساتھ توبہ کرے۔ اگر اس مرحلہ میں ذراسی کوتاہی سے کام لیا گیا تو یہ "حجاب" "تفاصل" یعنی جُدائی میں تبدیل ہوجائے گا یعنی یوں ہوتا ہے کہ محبوب اپنے مُحِب سے جُدا ہوجاتا ہے۔ اگر اس حالت پر بھی کوئی عُذرخواہی نہ کرے تو پھر "تفاصل" "سلب مزید" میں

تبدیل ہو جاتا ہے یعنی محب سے اوراد و وظائف اور عبادات وغیرہ کا ذوق اور لُطف چھین لیا جاتا ہے۔ اب بھی اگر محب اپنی ہٹ پر ڈٹا رہے اور عُذر خواہی نہ کرے تو سلب مزید "سلب قدیم" کی صورت اختیار کر لیتا ہے یعنی عبادت و طاعت کی راحت اور ثواب جو پہلے حاصل تھا وہ چھین لیا جاتا ہے۔ اِس حالت میں بھی اگر توبہ و استغفار میں کوتاہی (اور غفلت) سے کام لیا گیا تو سلب قدیم "تسلّی" میں مبدّل ہو جاتا ہے یعنی محبوب دل سے اپنے اس محب کی جُدائی کا متمنّی اور خواہشمند ہو جاتا ہے۔ اگر اس حالت میں بھی توبہ و استغفار میں غفلت سے کام لیا گیا تو تسلّی "عداوت" میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھے۔ آمین!" (اخبار الاخیار)

اکابرین اولیاء اللہ کے جامع ارشادات

حجۃ الاسلام امام غزالی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں: "یاد رکھو کہ انسان کو کھیل کود اور لہو و لعب کے لئے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ اس کا کام عظیم اور اس کی ذمّہ داری بہت بڑی اور اس کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہے کیونکہ ہر چند وہ (انسان) ازلی نہیں تاہم ابدی ضرور ہے اور اگرچہ اس کا جسم خاکی اور سِفلی ہے لیکن اس کی رُوح کی حقیقت بلاشبہ علوی اور ربّانی ہے اور اگرچہ اس کے خمیر میں بہائم، وحوش و طیور اور شیطانوں کے اوصاف کی آمیزش موجود ہے لیکن (یہ شرف بھی اُسی کو حاصل ہے کہ) جب وہ مجاہدہ و ریاضت کی بدولت ان آلائشوں کی نہی اور ان آمیزشوں کی نفی کر دیتا ہے تو پاک و صاف ہو کر حضور الٰہی اور قرب خداوندی کا سزاوار قرار پاتا ہے ؎

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ رُوح الامیں پیدا

تب تحتُ الثریٰ اور قعرِ مذلّت سے نکل کر اَوجِ ثریّا اور اعلیٰ ترین مقام تک رسائیٔ حاصل کر لیتا ہے اور ہر بلندی و پستی اس کے لئے یکساں ہو جاتی ہے اور اسی کے تصرّف میں آجاتی ہے۔ اس کے قعرِ مذلّت میں گرنے سے مُراد یہ ہے کہ وہ بہائم، وُحوش اور شیاطین کی پستیوں میں جا گرے اور شہواتِ نفسانی اور غضب و علائق میں گرفتار ہو جائے اور مقامِ اعلیٰ اس کا یہ ہے کہ فرشتوں کے درجے تک رسائیٔ حاصل کر لے اور شہوت و غضب کی غلامی سے نجات پا جائے بلکہ چاہیئے تو یہ کہ یہ دونوں چیزیں خود اس کی غلام ہو جائیں اور وہ ان کا حکمران بن جائے کہ یہی وہ مرتبۂ شاہی ہے جس تک رسائیٔ اسے حضوریٔ الٰہی کے قابل بنا سکتی ہے اور یہی قابلیت فرشتوں کی صفتِ خاص اور انسانیت کے درجۂ کمال کی نشانی ہے اور جب اسے جمالِ خداوندی سے اُنس کی لذّت حاصل ہو جاتی ہے تو اس کے لئے اس جمال کے دیدار کے بغیر ایک لمحہ صبر کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے اور یہ نظّارۂ جمالِ ربّانی ہی اس کی جنّت بن جاتا ہے اور وہ جنّت جو شہوتِ چشم، خواہشِ شکم اور طلبِ فرج پر مشتمل ہے اس کی نظروں میں بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہے۔ چونکہ انسان کی آفرینش اور تخلیق ابتدا ہی سے ناقص و خسیس فطرت پر اُستوار کی گئی ہے اس لئے اس کو اس درجۂ ناقص سے مرتبۂ کمال تک پہنچانا مجاہدہ و معالجہ کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا جس طرح اس کیمیار کا حصول حد درجہ دشوار ہے جس سے پیتل اور تانبے کو صاف کر کے خالص سونا بنالیا کرتے ہیں اور اس کی شناخت ہر کسی کے بس کا روگ نہیں، اسی

طرح اس کیمیا، کو پا لینا بھی بیحد مشکل ہے جو خمیر انسانی اور فطرتِ آدمی کو بہیمیت اور وحشی پن سے پاک کر کے اس درجہ نفیس بنا دیتی ہے کہ وہ فرشتوں کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تاکہ سعادتِ ابدی اسے نصیب ہو سکے۔ (کیمیائے سعادت) ؎

حُور و قصور و غلمان نہر و نعیم جنّت
یہ کُلّھم جہنّم مشتاقِ یار ہیں ہم

سیّدنا علی ہجویری داتا گنج بخش قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں۔"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:" وَمَا خلقت الجن والانس اِلا لیعبدون ○ ای لیعرفون ہم نے جن و انس کو اپنی معرفت ہی کے لئے پیدا کیا ہے مگر اکثر لوگ اِس سے ناواقف اور رُوگرداں ہیں لیکن وہ حضرات جن کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرما کر دُنیاوی تاریکیوں سے محفوظ رکھا اور ان کے دلوں کو زندہ و تابندہ بنایا اُن میں سے ایک حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حال کی خبر دیتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا:" وجعلنا لہٗ نوراً یمشی بہ فی النّاس ○ یعنی عمر اور ہم نے اس کے لئے نُور مقرر کیا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے"۔ یعنی عمر رضی اللہ عنہ اور اللہ تعالیٰ نے جن کے دلوں پر مُہر لگائی اور دنیاوی تاریکیوں میں مبتلا کیا اُن میں سے ایک ابوجہل لعین کے حال کی خبر دیتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:"کمن مثلہٗ فی الظلمات لیس بخارج منہا ○ یعنی ابوجہل۔ کون ہے اس کی مثل جو تاریکیوں میں ہے جو کبھی اس سے نکلتا ہی نہیں"۔ یعنی ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ۔ لہٰذا معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ ہو اور اس کا باطن ماسوی اللہ سے خالی ہو۔ اور ہر ایک کی قدر و منزلت معرفت سے ہے اور جسے معرفت نہیں وہ بے قیمت ہے۔ (کشفُ المحجوب)

شیخ الشیوخ حضرت شہابُ الدین سہروردی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے

ہیں۔" چونکہ ہوا و ہوس میں حلاوت و لذّت ہے (اس لئے نفس کو مرغوب ہے) اور نفس کو جب ہوا و ہوس کا چسکہ لگ جاتا ہے تو پھر وہ ہر وقت اسکی طرف مائل رہتا ہے اور لذت یاب ہونے کی کوشش کرتا ہے' ہوا و ہوس سے جو لذّت حاصل ہوتی ہے اُس کی مثال اُس پودے کی ہے جس کا گلا کانٹے دبا دیتے ہیں (اور پودا سُوکھ کر ختم ہو جاتا ہے) اور صُوفی کے قلبِ صافی میں حُبِّ صافی کی مہمانی سے حلاوت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حُبِّ صافی کا رُوحی تعلق حضرتِ اُلوہیّت سے ہے اور جو رُوح اپنے ظرف میں جذبِ محبّت کی خاصیت لیکر حضرت اُلوہیت کی طرف رجوع ہوتی ہے اس میں وہ قوت پیدا ہوتی ہے کہ نفس بھی اس کے پیچھے لگ جاتا ہے (مطیع ہو جاتا ہے اور) اُس کی اتّباع کرنے لگتا ہے۔ اس وقت حضرت اُلوہیّت کی محبّت کی حلاوت (نفسانی) خواہشات کی لذّت پر غالب آجاتی ہے۔" پھر خواہشات کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ (عوارف المعارف)

حضور غوث اعظم سیدنا محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں: "اس میں شک نہیں کہ تیرا نفس اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی مِلک ہے لیکن شہوات و لذّاتِ دُنیا اور اسباب تمرّد و تکبّر اسے راہِ راست سے برگشتہ کیے ہوئے ہیں کیونکہ یہ چیزیں انسان کے مزاج سے مناسبت رکھتی ہیں۔ پس اگر تُو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے نفس کی مخالفت اختیار کرے گا تو یہ تیری طرف سے جہاد ہو گا اور فلاح و بہبود کا ذریعہ۔ جہادِ نفس کے بعد اللہ تعالیٰ سے تیری دوستی اور عبودیت پایۂ ثبوت کو پہنچے گی اور تجھے پاک و صاف اور خوشگوار نعمتیں عطا کی جائیں گی' تمام اشیائے کائنات تیرے تابع ہو جائیں

گی اور تیری خدمت اور تعظیم کریں گی۔

یہ مسلّمہ اصول ہے کہ جو شخص اللہ کا مطیع ہو جاتا ہے دُنیا اُس کی مطیع ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔" کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا، بیان نہ کرتی ہو لیکن تم لوگ ان (چیزوں) کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے" نیز فرمایا۔" میں نے آسمانوں اور زمین سے کہا تم میری اطاعت و فرمانبرداری کرو طوعاً یا کرہاً تو یہ سُن کر اُنہوں نے کہا۔ اے خالقِ کائنات! ہم تیری اطاعت خوشی اور آمادگی سے قبول کرتے ہیں۔ پس کامل عبودیت ہوائے نفس اور سفلی خواہشات کی مخالفت سے حصل ہوتی ہے۔ قرآن میں متعدّد مقامات میں وارد ہے کہ نفس امّارہ کی پیروی انسان کو صراط مستقیم سے گمراہ کر دیتی ہے حدیث قدسی میں وارد ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السّلام سے فرمایا گیا۔" خواہشاتِ نفس کی پیروی کبھی نہ کرو کیونکہ میری زمین میں اتّباعِ نفس سے زیادہ فساد انگیز چیز اور کوئی نہیں"۔ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے متعلّق یہ حکایت مشہور ہے کہ جب انہوں نے خواب میں ربّ العزّت کو دیکھا تو عرض کی"۔ یا اللہ تیرے پاس پہنچنے کا راستہ کونسا ہے؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔" اپنے نفس کی اطاعت چھوڑ دے اور میرے پاس آجا"۔ حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ بعد ازاں میں نے سانپ کی کینچلی کی طرح اپنے نفس کو چھوڑ دیا۔ الغرض ہر حال میں اپنے نفس کی سفلی خواہشات سے احتراز ہی وجہِ نجات ہے۔ پس اگر تُو متّقی اور پرہیزگار ہے تو مالِ حرام سے اور مخلوقات کے خوف و خدشہ سے اجتناب کر اور اپنی توقعات کو مخلوق سے وابستہ کرنے کے بجائے خالق سے وابستہ کر اور بطریق زکوٰۃ و صدقات وغیرہ مخلوق کے عطیات پر نظر نہ رکھ۔ اچھّی طرح سمجھ لے کہ رزق و

روزی کے تمام اُمور فاعل کے فعل و تدبیر سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور فاعل و مدبّر اللہ تعالیٰ ہے' بہ ایں ہمہ مخلوق کی طرف سے سعی و محنت اور جدوجہد کے اُصول کو بھی ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیئے تاکہ تو مذہب جبریّہ کے عقائد سے نجات پائے اور یہ بھی نہ کہ مخلوق کے افعال میں خدا کی قدرت اور اسکے اختیار کو کوئی دخل نہیں' بندہ ہی فعل وارادہ کا مختار و مجاز ہے۔ اس عقیدہ سے تُو کافر ہو جائے گا اور قدریہ میں جا شامل ہوگا بلکہ درست عقیدہ کا تعیّن کرتے ہوئے یہ کہہ کہ مخلوق کے افعال و اعمال مشیّتِ خُداوندی سے ہیں جن کی بجا آوری کے لئے حسب ارشاد لیس للانسان الّا ما سعیٰ مخلوق کی طرف سے سعی و محنت لازمی ہے جیسا کہ ثواب و عذاب اور جزا و سزا کے متعلق قرآن و حدیث میں مثالیں وارد ہیں۔ پس احکامِ خداوندی سے تجاوز نہ کر کیونکہ اس کے احکام تمام مخلوقات پر طوعاً و کرہاً جاری و ساری ہیں —— احکم الحاکمین کے ہوتے کسی امر میں خود حاکم نہ بن بیٹھ' تیرے حاکم کتابُ اللہ اور سُنّتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ اگر تیرے دل میں کوئی خیال اور وسوسہ گذرے یا الہام کی کیفیت پائی جائے تو اس کو قرآن و حدیث کے معیار پر پرکھ لے' اگر قرآن و حدیث میں اس کی حُرمت و ممانعت موجود ہو' مثلاً وسوسۂ زنا' سُود' چوری' غصب' ظلم' عدوان' کذب و فریب اور دیگر اعمال فسق و فجور' تو ایسی باتوں کو اپنے قلب و دماغ سے دُور کر اور اُن پر ہرگز عمل پیرا نہ ہو بلاشبہ ایسے وسوسے شیطان کی طرف سے ہوا کرتے ہیں اور بڑی دِلفریب صُورتوں میں انسان کے سامنے آتے ہیں لیکن اگر وہ خیال و وسوسہ قرآن و حدیث کی رُو سے جائز و مباح ہو اور اُس میں حُرمت کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے

تو پھر بلا تأمل اس کی تعمیل کرلے کیونکہ اس میں گناہ کا خدشہ نہیں۔ مثلاً حلال چیزوں کا کھانا پینا۔ نکاح۔ عمدہ لباس۔ کسی مردِ صالح کی صحبت۔ حج بیت اللہ۔ بیوگان و یتامیٰ اور غرباء کی امداد اور رفاہِ عامہ کے دیگر کام' ایسے الہام پر دل سکون و اطمینان حاصل کرتا ہے اور فطرت اس کی تائید و تصدیق کرتی ہے۔

افعالِ الٰہی اور اوامرِ الٰہی کی تعمیل کے لئے اللہ تعالیٰ خود ہی بندہ میں شامل ہوجاتا ہے اور اس کی امداد و نصرت فرماتا ہے اور جب خالصتہً فعل حق باقی رہ گیا اور تجھ کو تائیدِ حق کا مقام حاصل ہوگیا تو پھر اگر تجھے کوئی فتنہ بھی پیش آئیگا تو تُو اس کے شر سے محفوظ و بری رکھا جائیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیّت اور اپنے فعل پر تیری گرفت نہیں فرمائے گا۔ بندے پر گرفت اُمورِ الٰہی میں دخل دینے کی وجہ سے کی جاتی ہے۔

اگر تُو مقامِ ولایت کا خواہاں ہے تو نفس کی مخالفت کر اور اوامرِ حق کا پُوری طرح متّبع ہوجا۔ اوامرِ الٰہی کی پیروی دو قسموں پر ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ منہیّاتِ شرعیہ سے اجتناب کیا جائے۔ لذّاتِ نفسانی کی پیروی سے احتراز ہو' فرائض ادا کئے جائیں اور اپنے ظاہر و باطن کو گناہوں سے محفوظ رکھا جائے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو احکام' الہام یا القاء کے طور پر دل پر وارد ہوں ان کی اطاعت پُورے احترام سے کی جائے اور خُدا کے وقتاً فوقتاً مشوروں سے غفلت نہ برتی جائے۔ یہ امرِ باطن اُس مباح میں بھی پایا جاتا ہے جس کے متعلق شریعت میں کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ اس طور پر کہ نہ تو وہ ممنوع ہے اور نہ حکمِ وجوب میں ہے اور اس پر بندہ کو اختیار دیا گیا ہے خواہ وہ اُسے تصرّف و استعمال میں لائے یا نہ لائے اِسی کا نام مباح ہے۔ پس ایک متّقی اور باخُدا شخص

کو چاہیئے کہ وہ ہر ایسی چیز کے متعلق استخارہ کرے اور حکم الہٰی کے انتظار میں رہے جب حکم پائے تو اس کے مُطابق عمل کرے۔ ایسی حالت میں بندے کے تمام اعمال اور حرکات وسکنات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں گے۔ جن چیزوں کا حکم شریعت میں موجود ہے اُن کو شرع کی رُو سے اور جن چیزوں کے متعلق حکم شریعت میں موجود نہیں اُنہیں بندہ حاصل ہونے والے امر باطن کے تحت بجا لائے گا۔ اس مقام پر بندہ " اہلِ حقیقت " میں سے ہو جائے گا اور اُس کا شمار اولیاءُ اللہ میں ہوگا۔ اور اگر تو "حق الحق" کی حالت میں ہے جو ذاتِ خداوندی میں فنا ہو جانے کی حالت ہے تو اسے خدا تعالیٰ کا بہت بڑا عطیہ سمجھ' یہ اُن ابدال کی حالت ہے جن کے دل عشق ومحویت سے شکستہ ہیں وہ موحّد ہیں' عارفین میں صاحب علم وعقل ہیں' اُمراء کے بھی آقا' خلق کے پیشوا ونگہبان' نائبین حق اور خاصان ومُحبّانِ الٰہی ہیں۔ پس اس مقام پر امر کی پیروی یہ ہے کہ تو نفسِ امّارہ کا مخالف ہو جائے اور دُنیا وآخرت کی کسی چیز کی طرف تیری رغبت وتوجّہ نہ رہے اُس وقت تو بندۂ مالکُ الملک ہوگا نہ کہ بندۂ مُلک' تو امرِ حق کا غُلام ہوگا نہ کہ خواہش کا' تو ظاہراً وباطناً کُلّی طور پر اس طرح سُپردِ خدا ہوگا جس طرح دایہ کے ہاتھ میں شیر خوار بچّہ اور طبیب کے رُوبرو بیہوش بیمار۔ پس اللہ تعالیٰ کے امر ونہی کی شناخت وپیروی کے علاوہ تو دیگر تمام اُمور سے بیہوش وبے خبر ہوگا۔" (فتوح الغیب) ~

نہنگ واژدہا وشیرِ نر مارا تو کیا مارا	بڑے موذی کو مارا نفسِ امّارہ کو گر مارا
نہ مارا نفس کو جو مَر کے خود اکسیر ہو جاتا	اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

مَن لَہُ المَولیٰ فَلَہُ الکُلّ

سیّد الطائفہ حضرت جُنید بغدادی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں:
"اللہ والو! یاد رکھو اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو اپنی تمام خواہشات روحانی اور نفسانی دنیا سے اُٹھا لیتے ہیں اور پھر آخرت کی خواہشات کو بھی ترک کر دیتے ہیں اور خالصتہً مولیٰ کریم کے ہو جاتے ہیں پھر یہ دَور بھی ان پر آتا ہے کہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ کس نے کس چیز کو ترک کر دیا اور دونوں جہانوں سے بے نیاز ہو کر اپنے حبیب، حقیقی دوست کے ساتھ اس طرح ہو جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں کی مسرّت رُوح کی خوشی اور بدن کی نفاست اسی میں ہوتی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کی نظر دنیا و آخرت کی جانب لَوٹ کر نہیں آتی۔ خوب یاد رکھو کہ تمام کائنات سے دل کو فارغ کرنے کا ایک طریقہ ہے اور وہ یہ کہ دل کو تمام جہان کے معاملات سے ہٹا لو اور ہر وہ ارادہ جس کا تعلق کونین کی کسی چیز سے وابستہ ہو اس ارادہ کو ترک کر دو، دونوں جہانوں کی جو چیز لذّت و راحت دینے والی ہے اس سے دستبردار ہو جاؤ اور اپنے ارادہ میں صرف اللہ تعالیٰ کو پختہ کر لو اور اللہ تعالیٰ کو کافی جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ دل کو دُنیا کے معاملات میں مشغول نہ کیا جائے اور اسی طرح آخرت کی باتوں میں بھی مشغول ہونا چھوڑ دے۔ جو شخص دُنیا کے ساتھ پُوری طرح مشغول ہو جاتا ہے اُس کو اللہ تعالیٰ دُنیا کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور آخرت کا تعلق مِٹ جاتا ہے اور جو آخرت میں مشغول ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیتا ہے، یعنی اس کا مطلوب صرف آخرت ہوتی ہے) اور جو شخص دنیا و عقبیٰ کو چھوڑ کر

مولیٰ کا ہوجاتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ مل جاتا ہے اور جس کو اللہ مل جاتا ہے، دنیا و آخرت کے دونوں جہان اس کے خادم (غلام) بن جاتے ہیں"۔ (معالی الہمم) ؎

دل باکسے نہ باختہ با دو جہاں نہ ساختہ
من بحضورِ تو رسیم روز شمار ایں چنیں

توحید تو یہ ہے کہ خُدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالَم سے خفا میرے لئے ہے

يَا مَنْ بِدُنْيَاهُ اشْتَغَلْ
قَدْ غَرَّهُ طُوْلُ الْاَمَلْ

اَوَلَمْ يَزَلْ فِيْ غَفْلَةٍ
حَتّٰى دَنٰى مِنْهُ الْاَجَلْ

اَلْمَوْتُ يَأْتِيْ بَغْتَةً
وَالْقَبْرُ صَنْدُوْقُ الْعَمَلْ

اے دُنیا میں مشغول و منہمک ہوجانے والے، اور حرص و آز کی قید میں مغرور و غافل ہوجانے والے، تیری غفلت کی بھی کوئی انتہا ہے؟ موت قریب ہے اور تُو غفلت میں پڑا ہے!

یاد رکھ، موت اچانک آنے والی ہے۔ قبر میں تجھے جانا پڑے گا جس میں نیک اعمال ہی کام آئیں گے"۔

والسّلام علی من اتبع الھدیٰ۔ والحمد للّٰہ ربّ العٰلمین الرحمٰن الرحیم والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ حبیبہٖ سیّد المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین امام الانبیآء والمرسلین۔ سیّد الاولین والاخرین سیّدنا و مولانا محمد و اٰلہٖ وصحبہٖ و اولیاء امّتہٖ و امّتہٖ اجمعین ط

الفقیر الی الرحمٰن ابو الحسّان حکیم محمد رمضان علی قریشی قادری غفرلہٗ

حرفِ آخر: مؤرخہ ۲۰ ماہِ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۹۶ء بروز بُدھ۔

ذِکر و فِکر

حصّہ دوم

تفکّر

مُرتّب:

فقیر ابُو الحسّان قادری غفرلہٗ سنجھورو۔ سندھ

طابع و ناشر: حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ

۶۸-۶۷، اوورسیز ہاؤسنگ سوسائٹی،

بلاک ۸/۷ ۔ کراچی

پیش لفظ

نَحمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دُنیا میں اپنا خلیفہ بنایا اور اسے "عقل" عطا فرما کر جُملہ مخلوقات سے ممتاز فرما دیا۔ یہ وہ نعمتِ عظیم ہے جو نہ ملائکہ کو ملی نہ جنّات نہ دیگر حیوانات کو عنایت ہوئی۔ یہ شرف صرف انسان ہی کو حاصل ہوا تاکہ وہ حواس کے ذریعہ اشیائے کائنات کو دیکھکر اس کے خالق کو پہچانے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواس ظاہری و باطنی عطا کئے اور انسان کی فطرت میں تلاش وجستجو کا مادّہ ودیعت فرمایا تاکہ بہ اقتضائے فطرت جب وہ آسمان و زمین کی مخلوقات کو دیکھے تو فطری تقاضے کے تحت اس کے دل و دماغ میں ان اشیاء کے متعلق تلاش وجستجو پیدا ہو کہ یہ تمام اشیاء خود بخود پیدا ہوگئی ہیں یا ان کا کوئی بنانے والا' پیدا کرنے والا ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور عقل سے کام لیکر سوچے کہ کیا کوئی چیز خود بخود وجود میں آسکتی ہے؟ اور جب وہ اپنے وجود پر نگاہ ڈالے تو اس کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ وہ خود کیا ہے؟ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور کیوں آیا ہے؟ اور پھر مرنے کے بعد کہاں چلا جاتا ہے؟ آیا وہ خود بخود پیدا ہوگیا ہے؟ اپنے جسم کا وہ خود مُوجد ہے؟ ہاتھ پاؤں' سر' چہرہ' ناک' کان' منہ' زبان اور اندرونی اعضاء' دماغ' پھیپھڑے

دل، جگر، معدہ، انتڑیاں، اعضائے تناسل، اعصاب، عضلات، شریانیں، وریدیں اور جسم کا گوشت پوست، ہڈیاں وغیرہ، اعضائے ظاہری و اندرونی اس نے خود بنائے ہیں؟ اور کیا اپنے جسم کو خود بنا کر جسم کے اندرونی و بیرونی اعضا خود پیدا کر کے اُن میں منظم ترتیب دے کر ان کے افعال و خواص اس نے خود پیدا کیے ہیں؟ کانوں کو سننے کی، ناک کو سونگھنے کی، زبان کو بولنے اور ذائقہ چکھنے کی، ہاتھوں کو کام کاج کرنے کی، پاؤں کو چلنے کی قوّت اس نے خود بخشی ہے؟ دماغ کو سوچنے، دل کو سمجھنے، معدہ و جگر کو خوراک ہضم کرنے، پھیپھڑوں کو سانس لینے، خون بنانے اور دل کے ذریعہ جسم کے ہر حصّے میں پہنچانے کے سب کام وہ خود اپنی طاقت اور مرضی سے انجام دے رہا ہے؟ جب وہ یہ سب کچھ سوچتا ہے تو عقلِ سلیم یہ فتویٰ دیتی ہے کہ انسان خود بخود پیدا نہیں ہو سکتا۔ اپنی قدرت اور اپنی مرضی سے اپنے ظاہری و باطنی اجزائے اعضا نہیں بنا سکتا۔ اپنے ظاہری و باطنی حواس اور صفات کا وہ خود خالق نہیں، اپنی شکل و صُورت بھی وہ خود بنانے والا نہیں، حتّٰی کہ جب کہ وہ اب مکمل طور پر بن چکا ہے، سمجھ، سوچ اور مختلف قویٰ کا حامل ہے، اپنی مرضی کے مُطابق اپنے جسم کے اعضا میں، شکل و صورت میں اور رنگ ڈھنگ میں ذرّہ بھر تبدیلی نہیں کر سکتا بلکہ یہ سب کچھ کرنے والا کوئی دوسرا ہے، جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ کائنات عالَم کی تمام چیزوں کو مختلف کاموں پر لگایا۔ یہ احسان ہے اُس قادر و کریم کا جو خالقِ کُل، حاکمِ مطلق اور فعّال لما یرید ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے ؎

اے خُدا احسانِ تو اندر شمار
مے نتانم با زبانِ صد ہزار

جان و گوش و چشم و ہوش و پا و دست　　　جملہ از دُرہائے احسانت پُر است

(مثنویٔ معنوی)

یا اللہ! تیرے احسانات بے شمار ہیں' اتنے کہ ہزار زبانیں ہوں تو بھی اُنکو شمار نہیں کرسکتا۔ میری جان' میرے کان' آنکھیں' ہوش و حواس اور ہاتھ پاؤں یہ سب کے سب تیرے احسان کے موتیوں سے بھرپُور ہیں۔ سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے: مامن مولود الاّ یولد علی الفطرة فابواہ یھوّدانہ اوینصّرانہ اویمجّسانہ۔ الحدیث (متفق علیہ) ہر بچّہ دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے (یعنی انسان کا ہر بچّہ بہ حالتِ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ نے تمام رُوحوں سے اپنی ربوبیّت کا اقرار کرایا۔ سب نے "بلیٰ" کہہ کر اقرار کیا۔ اس اقرار پر قائم رہتے ہوئے ہر انسان اِس دُنیا میں آتا ہے' یہ اقرار و ایمان ہر انسان کا فطری اور پیدائشی دِین ہے) پھر اس کے ماں باپ اُسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں"۔ یعنی ہر بچّہ ہوش سنبھالنے تک دینِ فطرت' توحید و ایمان پر قائم رہتا ہے۔ ہوش سنبھالنے پر جیسا اپنے ماں باپ اور ساتھیوں کو دیکھتا ہے ویسا بن جاتا ہے' انسان اگر اپنے والدین اور دوسرے لوگوں کے گمراہ ماحول میں پرورش نہ پائے تو وہ فطرتاً جہان کے آثار و شواہد کو دیکھکر توحید کا قائل ہوجائے (مرآت شرح مشکوٰۃ) سلیم الفطرت صاحبِ عقل و ہوش انسان کے لئے خالقِ کائنات کے وجود اور اس کی توحید و یکتائی کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے تمام مخلوق' سب اشیاء زبانِ حال سے اپنے صانع کی قدرت و حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ قرآن مجید میں آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرنے

کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اُن کا پیدا کرنے والا موجد ہے اور یہ کہ وہ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ہے۔ کامل علم و قدرت والا حکمت والا ہے۔ اس نے اپنے علم و قدرت اور حکیمانہ انداز سے ایسی عظیم چیزیں پیدا کیں اور اس طور سے بنائیں کہ ان میں کوئی خامی یا کچھ نقص واقع نہیں۔ انسان غور و فکر کرنے کے بعد اس یقین تک پہنچ جائے کہ ان کے خالق نے یہ اتنا بڑا کارخانہ اور اس کی کوئی چیز فضول و بے کار نہیں بنائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ۝ (پ ۱۷ ع ۲) اور ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عبث نہیں بنائے" کہ ان سے کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ اس میں ہماری حکمتیں ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ ہمارے بندے ان سے ہماری قدرت و حکمت پر استدلال کریں اور ہمارے اوصاف و کمال کی معرفت ہو (خزائن العرفان)

واضح رہے کہ مخلوقات میں سے انسان انہی اشیاء میں غور و فکر کر سکتا ہے جو سب کو آنکھوں سے دکھائی دیتی ہیں مثلاً آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، رعد، برق، ژالہ، آندھیاں، طوفان، زمین، پہاڑ، سمندر، دریا، چشمے، آدمی، جانور، چوپائے، درند، پرند، نباتات، معدنیات وغیرہ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی خلاقیت و صنعت گری کے وہ نمونے ہیں جن کو ہم دیکھتے ہیں۔ انسان کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی شناخت اس کی عجیب و غریب صنعتوں اور مظاہر سے کرے جو چار سُو نظر آتے ہیں لیکن وہ مخلوق جس سے ہم واقف تو ہیں لیکن دکھائی نہیں دیتی مثلاً ملائکہ، عرش و کرسی اور جنّات وغیرہ ان میں تفکّر سخت دشوار ہے۔ البتہ وہ صاحبانِ کشف جن کی رُوحانی پرواز بلند ہے اور

ان حضرات پر اسرارِ باطنی منکشف ہوتے ہیں وہ حسب مراتب ان میں تفکّر کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ مخلوق بھی ہے جس سے انسان بالکل بے خبر ہے، اس میں تو تفکّر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (پ۲۳ ع۲) پاکی ہے اُسے جس نے سب جوڑے بنائے (اصناف و اقسام) ان چیزوں سے جنہیں زمین اُگاتی ہے اور خود ان سے (اولاد ذکور و اناث) اور ان چیزوں سے جن کی اُنہیں خبر نہیں۔" بحر و بر میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ایسی عجیب و غریب مخلوق بھی ہے جن سے کوئی انسان واقف نہیں، تو جن اشیاء کا علم ہی نہیں، ان میں غور و فکر کیونکر ممکن ہے؟ بس ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ دکھائی دینے والی اشیاء میں تفکّر کریں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی شانِ خلّاقیت اور اسکی عظمت و قدرت، حکمت و ربوبیّت کا مشاہدہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں تفکّر و کلام ضلالِ تام ہے

حق تعالیٰ کے بارے میں تفکّر، ذاتِ حق اور اس کی صفات میں تفکّر اعلیٰ ہے مگر چونکہ لوگوں میں اس کی طاقت نہیں، وہ اس کے متحمّل نہیں ہو سکتے، ان کی عقلیں وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتیں اور یہ امر انسان کی استطاعت سے باہر ہے، اس لئے شریعت نے اس تفکّر کی ممانعت کر دی۔ ذاتِ حق اور

صفاتِ حق میں تفکّر سے منع کر دیا اور ہدایت کر دی کہ ذات وصفاتِ الٰہی میں تفکّر نہ کرو کہ "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ" (پ ۲۵ ع ۳) اُس جیسا کوئی نہیں "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "بعض لوگوں نے تفکّر کرتے ہوئے اللہ کی ذات میں تفکّر شروع کر دیا، ان کو مخاطب کرتے ہوئے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اُس کی ذات میں تفکر نہ کرو، اس کی مخلوق میں تفکر کرو، "تفکروا فی خلق اللّٰہ ولا تفکروا فی اللّٰہ"۔ اس کی ذات میں تم کیا تفکر کرو گے؟ اس کی تم میں طاقت ہی کہاں ہے؟ اور اس کی قدر پہچاننا تمہارے لئے ممکن ہی کب ہے؟

حضرت مصلح الدین شیخ سعدی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں ؎

جہاں متفق بر الٰہیتش — فرو ماندہ در کنہ ماہیتش

بشر ماورائے جلالش نیافت — بصر منتہائے جمالش نیافت

نہ بر اوج ذاتش پَرد مُرغِ وَہم — نہ در ذیل وصفش رَسَد دست فہم

اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت پر سارا جہان متفق ہے لیکن اس کی کُنہِ ماہیت جان لینے میں عاجز ہے۔ انسان اس کے تجلّیاتِ جلال کے سوا کچھ پا نہ سکا۔ آنکھ اس کے منتہائے جمال تک نہ پہنچ سکی۔ اس کی ذات کی بلندی تک مُرغِ وہم کی پرواز نہیں پہنچتی۔ نہ اس کے دامن وصف میں فہم کو رسائی ہو سکتی ہے۔

حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز نے فرمایا، ہم نہ اس کی ذات سے بحث کر سکتے ہیں نہ اس کی کسی صفت سے۔ حدیث میں ارشاد فرمایا: "تفکّروا فی الآء اللّٰہ ولا تفکّروا فی ذات اللّٰہ فتھلکوا۔ اللہ کی نعمتوں میں فکر کرو اور اس کی ذات میں فکر نہ کرو کہ ہلاک ہو جاؤ گے"۔ اس

کی صفات میں فکر اس کی ذات ہی میں فکر ہے۔ ادراک کُنہ صفات بے ادراک کُنہ ذات ممکن نہیں کہ اس کی صفات کو کسی مَوطن میں ذات سے جُدائی محال، اسی لئے اُنہیں "لاعین ولا غیر" کہا جاتا ہے اور کُنہ ذات کا ادراک مخلوق کو محال کہ وہ بکلّ شئ محیط ہے کوئی اسے مُحیط نہیں ہوسکتا۔ لاجرم کُنہ صفات کا بھی ادراک محال"۔ (الملفوظ حصّہ دوم ص۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ "تفکّروا فی کل شئ ولا تفکروا فی ذات اللّٰہِ فانّ بین السّمآء السابعة الیٰ کرسیّہٖ سبعة آلاف نور وھو فوق ذالک (بیھقی فی کتاب الاسماء والصفات) ہر شے میں فکر کرو اور اللہ کی ذات میں فکر نہ کرو کہ بلاشبہ ساتویں آسمان سے اس کی کرسی تک سات ہزار نُور (نوری فاصلے) ہیں اور وہ (اللہ تعالیٰ) اس سے بھی اُوپر ہے"۔ ذاتِ خُدا لامحدود اور عقلِ انسانی محدود ہے، "لامحدود" "محدود" میں کیونکر سما سکتا ہے؟ بحرِ ناپیدا کنار ظرفِ محدود میں کیونکر مقیّد ہوسکتا ہے؟ عارفِ رُومی فرماتے ہیں ؎

بحرِ مطلق چوں درآید در قیود زانکہ نامحدود ناید در حدود

یہی وجہ ہے کہ حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ذاتِ خدا میں غور و فکر کرنے سے منع فرمایا۔ چونکہ عقلِ انسانی محدود ہے، اس لئے "اللہ" ذاتِ لامحدود کا ادراک محال و ناممکن ہے۔ اسی لئے فرمایا: تفکروا فی الآءِ اللہ۔ اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرو کہ معرفتِ خدا کے لئے زمین و آسمان میں بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔ ان میں غور و فکر کرو اور اللہ کو پہچانو۔

حضرت امّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "ایک

دن (صبح کے وقت) رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نماز میں مشغول تھے اور رو رہے تھے (جب نماز سے فارغ ہوئے) تو میں نے عرض کی یا رسُول اللہ! آپ کیوں روتے ہیں؟ جبکہ آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ اللہ نے معاف کر دیئے ہیں۔" فرمایا۔ "بھلا یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ یہ آیت مجھ پر نازل ہو اور میں نہ روؤں لقد انزلت علیّ اللیل آیۃٌ ویلٌ لمن قرأھا ولم یتدبر ویلٌ لہٗ ثمّ ویلٌ لہٗ۔ تحقیق آج رات مجھ پر ایک ایسی آیت نازل کی گئی ہے کہ اس کے لئے ہلاکت ہے جو اسے پڑھے اور پھر اس پر غور (فکر) نہ کرے' ہلاکت ہو اُس کے لئے پھر ہلاکت ہو اس کے لئے اور حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ (پ۲ ع۴) بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے' اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اُتار کر مُردہ زمین کو اس سے جِلا دیا' اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے۔ ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔" کعبۂ معظمہ کے گرد مشرکین کے تین سو ساٹھ بُت تھے جنہیں وہ معبود اعتقاد کرتے تھے۔ اُنہیں یہ سُن کر بڑی حیرت ہوئی کہ معبود صرف ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں! اس لئے انہوں نے سیّدِ عالم صلّی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلّم سے ایسی آیت طلب کی جس سے وحدانیت پر استدلال صحیح ہو۔
اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں یہ بتایا گیا کہ آسمان اور اس کی بلندی
اور اس کا بغیر ستون اور علاقہ کے قائم رہنا اور جو کچھ اس میں نظر آتا ہے۔
آفتاب، مہتاب، ستارے وغیرہ یہ تمام، اور زمین اور اس کی درازی اور
پانی پر مفروش ہونا اور پہاڑ، دریا چشمے، معاونِ جواہر، درخت، سبزہ، پھل
اور شب و روز کا آنا جانا، گھٹنا بڑھنا، کشتیاں اور اُن کا مسخّر ہونا باوجود بہت
سے بوجھ اور وزن کے رُوئے آب پر رہنا اور آدمیوں کا ان میں سوار ہو کر دریا
کے عجائب دیکھنا اور تجارتوں میں اُن سے باربرداری کا کام لینا اور بارش اور
اس سے خشک و مُردہ ہو جانے کے بعد زمین کا سرسبز و شاداب کرنا اور تازہ
زندگی عطا فرمانا اور زمین کو انواع و اقسام کے جانوروں سے بھر دینا جن میں
بے شمار عجائبِ حکمت ودیعت ہیں۔ اسی طرح ہواؤں کی گردش اور ان کے
خواص اور ہوا کے عجائبات اور ابر اور اس کا اتنے کثیر پانی کے ساتھ آسمان و
زمین کے درمیان مُعلق رہنا۔ یہ آٹھ انواع ہیں جو حضرت قادر و مختار کے علم و
حکمت اور اس کی وحدانیت پر بُرہانِ قوی ہیں اور ان کی دلالت وحدانیت پر
بے شمار وجوہ سے ہے۔ اجمالی بیان یہ ہے کہ یہ سب اُمورِ ممکنہ ہیں اور ان کا
وجود بہت سے مختلف طریقوں سے ممکن تھا مگر وہ مخصوص شان سے وجود میں
آئے۔ یہ دلالت کرتا ہے کہ ضرور ان کے لئے مُوجِد ہے، قادر و حکیم جو بمقتضائے
حکمت و مشیت جیسا چاہتا ہے بناتا ہے کسی کو دخل و اعتراض کی مجال نہیں
وہ معبود بالیقین واحد و یکتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی
فرض کر لیا جائے تو اس کو بھی اس مقدورات پر قادر ماننا پڑیگا۔ اب دو حال

سے خالی نہیں یا تو ایجاد و تاثیر میں دونوں متفق الارادہ ہوں گے یا نہ ہوں گے۔ اگر ہوں تو ایک ہی شے کے وجود میں دو مؤثروں کا تاثیر کرنا لازم آئے گا اور یہ محال ہے کیونکہ یہ مستلزم ہے۔ معلول کے دونوں سے مستغنی ہونے کو اور دونوں کی طرف مفتقر ہونے کو کیونکہ علت جب مستقلہ ہو تو معلول صرف اسی کی طرف محتاج ہوتا ہے دوسرے کی طرف محتاج نہیں ہوتا اور دونوں کو علتِ مستقلہ فرض کیا گیا ہے تو لازم آئے گا کہ معلول دونوں میں سے ہر ایک کی طرف محتاج ہو اور ہر ایک سے غنی ہو تو نقیضین مجتمع ہو گئیں اور یہ محال ہے۔ اور اگر یہ فرض کرو کہ تاثیر ان میں سے ایک کی ہے تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور دوسرے کا عجز لازم آئے گا جو "الٰہ" ہونے کے منافی ہے۔ اور اگر یہ فرض کرو کہ دونوں کے ارادے مختلف ہوتے ہیں تو تمانع و تطارد لازم آئے گا کہ ایک کسی شے کے وجود کا ارادہ کرے اور دوسرا اسی حال میں اس کے عدم کا تو وہ شے ایک ہی حال میں موجود و معدوم دونوں ہوگی یا دونوں نہ ہوگی، یہ دونوں تقدیریں باطل ہیں۔ تو ضرور ہے کہ یا موجود ہوگی یا معدوم۔ ایک ہی بات ہوگی۔ اگر موجود ہوئی تو عدم کا چاہنے والا عاجز ہوا "اِلٰہ" نہ رہا اور اگر معدوم ہوئی تو وجود کا ارادہ کرنے والا مجبور رہا "اِلٰہ" نہ رہا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ "اِلٰہ" ایک ہی ہو سکتا ہے اور یہ تمام انواع بے نہایت وجوہ سے اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں۔ (خزائن العرفان)

حُجّۃ الاسلام امام غزالی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں:

تفکّر کے معنے "طلبِ علم" ہیں۔ تفکر سے نُورِ معرفت حاصل ہوتا ہے، اس سے اسرارِ الٰہی منکشف ہوتے ہیں۔ تفکّر یا تو اپنی ذات کے بارے میں ہوتا ہے یا ذاتِ حق کے بارے میں، اور ذاتِ حق کے بارے میں تفکّر کا مطلب یہ

ہے کہ اس کی خلاقی یا اس کی صنعت گری ۔ اس کے افعال یا اس کے مظاہر صفات و عجائب کے بارے میں غور و فکر کیا جائے ۔ اپنی ذات کے بارے میں یا تو اُن امور میں تفکر جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں بندہ ان کے باعث حق تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے یعنی بُرے اخلاق و اعمالِ بد معاصی وغیرہ ۔ یا پھر اُن صفات میں تفکر جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہیں، اسے محبوب ہیں، بندے کو حق تعالیٰ کے قریب لے جاتی ہیں یعنی طاعات و عبادات اور اعمالِ صالحہ ۔ انسان غور و فکر کر کے اعمالِ بد سے بچے اعمالِ صالحہ اختیار کرے، ظاہری گناہوں سے بچے اور باطنی رُوحانی بداخلاقیوں سے بچے ۔ بُخل، تکبر، ریاء، حسد، غصہ، حرصِ طعام، حرصِ بیہودہ گوئی، حُبِّ مال، حُبِّ جاہ وغیرہ سے احتراز کرے ۔ باطنی اخلاقِ حسنہ حاصل کرے ۔ گناہ پر پشیمانی، مُصیبت پر صبر، قضا پر رضا، نعمت پر شکر، خوف و رجا میں اعتدال، دُنیا سے زُہد، عبادت میں اخلاص اور خلق سے حُسن سلوک وغیرہ ۔ حدیث میں ہے کہ "ایک ساعت کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے"۔ (احیاء العلوم و کیمیائے سعادت)

رہنمائے کاملاں، حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں :

"قال علیہ الصلوٰۃ والسلام تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ ستّین سنۃ ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے : ایک ساعت کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے"۔ اسکی شرح میں فرماتے ہیں۔ "درحقیقت اعمالِ باطن، اعمالِ جوارح یعنی ظاہری اعمال سے افضل ہیں اور احوال و اعمالِ باطن کی تاثیر درحقیقت اعمالِ ظاہری سے اکمل و جامع ہے"۔ (کشف المحجوب)

حضور پُرنور غوث اعظم محی الدین سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں :

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ " میری زمین میں یقین و ایمان لانے والی بہت سی آیات ہیں ۔ یہ آیات (نشانیاں) تمہارے اپنے نفوس میں بھی موجود ہیں ، کیا تم دیکھتے نہیں ؟ " پس اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور وحدانیت پر یقین لانے کے لئے زمین اس کی صنعت کے عجائب و غرائب سے معمور ہے ۔ لہٰذا ہر صاحب عقل و شعور کو چاہیئے کہ وہ تحصیل عرفان و ایمان کے لئے غور و تدبّر اور مشاہدہ اپنی ذات سے شروع کرے اور اپنے وجود کی ظاہری و باطنی تخلیق و ترکیب کو غور و فکر کی نظر سے دیکھے اور جب عرفانِ نفس اور علمِ ابدان میں اسے بصیرت حاصل ہو جائے تو پھر تمام کائنات اور حکمتِ اشیاء پر غور و تدبّر کرے ۔ پس مخلوقات میں غور و تدبّر کرنے سے اُس پر خالق کی عظمت و کبریائی واضح ہوتی چلی جائے گی اور مصنوعات کو دیکھ کر وہ صانع کی ذات وصفات کا اندازہ کر سکے گا اور اس طرح توحید و معرفت کے حقائق چشمِ قلب پر منکشف ہوتے چلے جائیں گے ۔ کیونکہ یہ ایک قاعدۂ کلیہ ہے کہ صنعت اپنے صانع کے کمالِ فن کی ترجمان ہوا کرتی ہے اور فعل اپنے فاعل کی قدرت و صلاحیت پر دلالت کرتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مقدس میں فرمایا : " اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخّر و مطیع کر دیا ہے " ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے اسرار و حِکَم کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ۔ " کائنات کی ہر شے اسمائے الٰہی میں سے ایک 'اسم' ہے اور ہر شے کا نام اللہ کے کسی نہ کسی 'اسم' کی علامت ہے ۔ حتّٰی کہ اے

انسان! تُو بھی بذاتِ خود کچھ نہیں ہے مگر اُسی کے اسم اور صفت اور فعل کا عکس و پرتو ہے' اور اسی کی قدرت سے پوشیدہ اور اسی کی حکمت سے ظاہر و نمایاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اپنی صفات کو ظاہر فرمایا اور ذات کو چھپایا ہے۔ بایں ہمہ ذات کو صفت میں اور صفت کو فعل میں ظاہر و واضح فرمایا ہے۔ نیز اپنے علم کو مشیت و ارادہ سے اور ارادہ کو حرکات و افعال سے ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے امور و اسباب میں باطن' لیکن اپنی قدرت و حکمت میں ظاہر و نمایاں ہے۔ تمام اشیائے کائنات اس کی صنعت و قدرت کی مظہر و ترجمان ہونے کے باوجود کوئی بھی شے اُس کی مثل نہیں' وہ عالم الغیب' سمیع و بصیر' زمان و مکان کی حدود سے بالاتر اور ہمیشہ زندہ و باقی رہنے والا ہے۔" بلاشبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ کلام اسرارِ معرفت سے معمور ہے' ایسے نکات و معانی کا ظہور ایسے ہی سینہ سے ہو سکتا ہے جس میں قلب زندہ اور روشن ہو۔ حکمت و معرفت حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہما کی یہ شان اسی پر تھی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کے حق میں دُعا فرمائی تھی "یا اللہ! اس کو دین میں حکمت اور سمجھ عطا فرما اور اس کو معانیٔ آیات کا علمِ لدُنّی مرحمت فرما۔" اللہ تعالیٰ ہمیں ان حاملین اسرارِ کتابُ اللہ کی برکات عطا فرمائے اور اُن کے گروہ میں ہمارا حشر و نشر کرے۔ آمین! (فتوح الغیب مقالہ ۲۴)۔

اس پر مزید خامہ فرسائی تحصیل حاصل ہے۔

فقیر ابوالحسّان قادری قریشی غفرلہٗ

حصّہ دوم

تفکّر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِیْنَ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ اَمَّا بَعْدُ ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ ۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ○ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ ط

قرآن مجید میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، قرض اور دیگر معاملات کے بارے میں ڈیڑھ سو آیات نازل ہوئیں اور مطالعۂ کائنات کے متعلق سات سو چھپّن (۷۵۶) آیات نازل فرمائی گئیں۔ اس سے آیاتِ الٰہی یعنی اشیائے کائنات میں تفکّر و تدبّر کی اہمیّت واضح ہے کہ اس کی بدولت خالق اشیاء کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں جابجا ہستئ باری تعالیٰ، اس کی شانِ خلّاقیّت، اس کی صفات اور افعال، اس کی قدرت و حکمت، علم و تصرّف اور اس کی توحید پر استدلال کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور

اور فہم و بصیرت عطا فرما کر اسے دعوت دی ہے کہ کائناتِ علوی و سفلی میں مظاہرِ قدرت کو تعقل و تفکّر کی آنکھ سے دیکھے، اُن کے اندر مخفی حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرے اور عجائباتِ مخلوق میں خالق کے دستِ قدرت کو ہر آن کارفرما دیکھ کر منزلِ معرفت "توحید" تک پہنچے۔ غور و فکر کرنے سے اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اپنے صانع و خالق کا پتہ دے رہا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک دن رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "عبادت سے اپنی آنکھوں کو بھی کچھ حصّہ ضرور دیتے رہا کرو۔" حاضرین نے عرض کی "یا رسُول اللہ! وہ کیسے؟" فرمایا: "وہ یوں کہ زبان سے تلاوتِ قرآن کرو، ذہن میں اس پر تفکّر کرو اور آنکھوں سے قدرت کے عجائب و مظاہر سے عبرت حاصل کرو" ——— تاکہ تمہیں خالق و صانع کی معرفت حاصل ہو۔ انسان کی زندگی کا مقصودِ اعظم، اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام صفات و احوال کی معرفت ہے اور یہ جاننا کہ وہی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا اور سب کا پروردگار ہے اور جو ایسا ہو وہی مستحقِ عبادت ہو سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب برحق صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے انسان کی رہنمائی فرماتے ہوئے انسان کو اشیائے کائنات میں غور و تفکّر کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار زمین و آسمان شمس و قمر، کواکب، بادلوں، ہواؤں، پہاڑوں، دریاؤں، کشتیوں، نباتات اور حیوانات وغیرہ کی پیدائش کو اپنے وُجود کے اثبات میں بطور دلیل بیان فرما کر ان کی پیدائش اور ان کے احوال میں غور و فکر کا حکم دیا ہے کہ وہ عقل سے کام لیتے ہوئے کائناتِ ارض و سماء میں تفکّر و تدبّر سے اپنے رَب کو پہچانے اور اس کی

عظمت و ربوبیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے، اور دولتِ معرفت سے بہرہ ور ہوکر اپنے منصبِ خلافت کے حقوق و فرائض انجام دینے کے قابل ہوجائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (پ ۲۵ ع ۱۸) اور تمہارے لئے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں (اپنے حکم سے) بے شک اس میں نشانیاں ہیں سوچنے والوں کے لئے۔" غور و فکر کرنیوالوں کے لئے نیز فرمایا: "اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۖ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ (پ ۲ ع ۴) بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تو زمین کو اس سے جِلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے۔ ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔"

نیز فرمایا: "اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ (پ ۲۱ ع ۱۲) کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں اور تمہیں بھرپور دیں اپنی نعمتیں ظاہر اور چھپی۔" ظاہری نعمتوں سے درستیٔ اعضا

وحواس خمسہ ظاہرہ اور حُسن وشکل وصُورت اور کھانے، پینے، پہننے، رہنے سہنے، زیبائش، آسائش وغیرہ کی تمام اشیاء مُراد ہیں، اور باطنی نعمتوں سے۔ ایمان، علم، معرفت، حواس خمسہ باطنی، لطائف، عقل وشعور اور ملکاتِ فاضلہ وغیرہ۔

نیز فرمایا: "اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ۝" (پ ۲۱ ع ۱۲) اے سننے والے! کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ رات لاتا ہے دن کے حصّے میں اور دن لاتا ہے رات کے حصّے میں (یعنی ایک کو گھٹا کر دوسرے کو بڑھا کر اور جو وقت ایک میں گھٹاتا ہے دوسرے میں بڑھا دیتا ہے) اور اس نے سُورج اور چاند کام میں لگائے (بندوں کے نفع کے لئے) ہر ایک، ایک میعاد تک چلتا ہے (یعنی روزِ قیامت تک یا اپنے اپنے اوقاتِ معیّنہ تک، سُورج آخر سال تک اور چاند آخر ماہ تک) اور یہ کہ اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے (وہی ان اشیاء مذکور پر قادر ہے تو وہی مستحقِ عبادت ہے) اور اس کے سوا جن کو پوجتے ہیں سب باطل ہیں (فنا ہونے والے، ان میں سے کوئی مستحقِ عبادت نہیں ہو سکتا) اور اس لئے کہ اللہ ہی بلند بڑائی والا ہے۔"

نیز فرمایا: "اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ۝" (پ ۲۱ ع ۱۳) کیا تُو نے نہ دیکھا کہ کشتی دریا میں چلتی ہے اللہ کے فضل سے (اس کی رحمت اور اس کے احسان سے) تاکہ تمہیں وہ اپنی (عجائب قُدرت کی) کچھ

نشانیاں دکھائے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر کرنے والے شکرگزار کو۔" نیز فرمایا: "وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ (پ ۲۶ ع ۱۸) اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کو (جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت وحکمت پر دلالت کرتی ہیں) اور خود تم میں (تمہاری پیدائش میں اور تمہارے تغیرات میں اور تمہارے ظاہر وباطن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ایسے بے شمار عجائب وغرائب ہیں جس سے بندے کو اس کی شانِ خدائی معلوم ہوتی ہے) تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں؟" نیز فرمایا: "صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ (پ ۲۰ ع ۳) یہ کام ہے اللہ کا جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز۔" نیز فرمایا: "وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنكِرُونَ ۝ (پ ۲۴ ع ۱۴) اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے (جو اس کی قدرت و وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں) تو اللہ کی کونسی نشانی کا انکار کروگے؟" یعنی وہ نشانیاں ایسی ظاہر و باہر ہیں کہ ان کے انکار کی کوئی صورت ہی نہیں۔

اللہ عزّوجلّ نے ان آیاتِ کریمہ اور قرآن پاک کی اسی مضمون کی دوسری آیات میں اشیائے کائنات کو اپنی معرفت کا ذریعہ ٹھہرا کر انسان کو حکم دیا ہے کہ عقل سے کام لیکر ان میں غور وفکر کریں، تاکہ وہ اس نتیجہ پر پہنچ سکیں کہ ان اشیائے کائنات کا خالق وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ ہے" اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ (پ ۲۴ ع ۳) اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز کا مختار ہے۔" "وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝ (پ ۲۳ ع ۴) اور وہی ہے سب سے بڑا پیدا کرنے والا سب کچھ جانتا۔" ساری دنیا، پوری

کائنات حادث، ممکن، محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ واجب، قدیم، ازلی، ابدی، حیّ وقیّوم، قادر، علیم، حکیم، ربُّ العالمین ہے ؎

وفی کل شئ لہٗ آیۃٌ تدلّ علیٰ انّہٗ واحدٌ

ہر چیز میں وجود باری تعالیٰ کی نشانی موجود ہے اور وہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بے شک اللہ ایک ہے۔ اُس کی اُلوہیت میں اور کوئی دخیل نہیں کوئی شریک نہیں۔ مخلوقات کا وجود ذاتِ واجبُ الوجود کی روشن دلیل ہے۔ سُورج، چاند ستاروں کی روشنی اور سبعہ سیّارہ کی گردش، رات دن کا چکّر، صبح و شام کا تسلسل، موت وحیات کا سلسلہ، جمادات، نباتات اور حیوانات کی پیدائش اور ان کے خصوصی اوصاف وعادات و اطوار۔ خالقِ کائنات کا پتہ دے رہی ہیں۔ صانع حقیقی کی صنعت، قادرِ مطلق کی قدرت اور ذاتِ واجبُ الوجود کی ہستی کی جانب رہنمائی کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی کائنات کو ایک نظم وضبط میں مربوط کر رکھا ہے، کائنات کی ہر چیز اپنے مقررہ دستورالعمل کو نباہنے میں ہر آن لگی ہوئی ہے۔ کائنات کا نظام اعتدال و باقاعدگی سے چل رہا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی صحیح عظمت، کمالِ تخلیق، جمالِ تکوین، نظامِ ربوبیّت اور حیرت انگیز نظم ونسقِ کائنات کو سمجھنے کے لئے صحیفۂ فطرت میں غور وفکر اور تدبّر کرنا ضروری ہے۔ اگر انسان اشیائے کائنات کی حقیقتوں سے آگاہی حاصل کرے، تو وہ ان میں باری تعالیٰ کے نظامِ ربوبیّت کے ایسے ایسے مظاہر دیکھے گا جن سے اس کے ایمان کو درجۂ ایقان نصیب ہوگا، اور حتّٰی یتبیّن لھم انّہ الحق کے وعدہ کے مُطابق اس پر آشکار ہو جائیگا اور وہ پُکار اُٹھے گا ' ربّنا ما خلقت ھٰذا باطلا۔ اے ہمارے رَب! تیری

تخلیق کردہ کوئی شے بھی ایسی نہیں جو عبث اور باطل ہو اور تیری ہستی کی راہ نہ دکھاتی ہو۔ بلاشبہ تمام اشیائے کائنات اللہ تعالیٰ کی ہستی، اسکی صنعت گری اور اس کی عجیب تدبیر اور لطیف حکمت کی بڑی بھاری دلیلیں ہیں۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

برگ سبز درختاں در نظر ہوشیار
ہر ورق دفتریست معرفتِ کردگار

صاحبِ عقل و ہوش کی نظر میں درختوں کے لہلہاتے ہوئے سبز پتّے خالق و صانع کے وجود اور اس کے کمالِ قدرت و حکمت کا واضح ثبوت ہیں۔ ہر ورق معرفتِ الٰہی کا ایک دفتر ہے۔

کائنات کی دیگر اشیاء مثلاً آسمان و زمین، سُورج، چاند، ستاروں، ہواؤں، بادلوں، سمندر، پہاڑوں، چشموں، چھوٹے بڑے حیوانات، وحوش و بہائم، حشرات الارض، معدنیات و نباتات وغیرہ سے قطع نظر کرکے اگر انسان کسی بھی درخت کا ایک پتّہ سامنے رکھ کر اس کے وجود، اس کی ساخت، رنگ، اور اس کی صفات اور اس کے خواص پر غور و فکر کرے اور سوچے کہ یہ پتّہ کیونکر وجود میں آیا، یہ کس چیز سے بنا؟ اس کے رگ و ریشے، اس کا رنگ، اس کی تروتازگی اس کی نفاست و نزاکت وغیرہ یہ سب کچھ کہاں سے آیا؟ کیسے آیا؟ اور کیوں آیا؟ اس میں مخصوص و ممتاز بُو کیسے پیدا ہو گئی؟ اس میں مخصوص خواص کس طرح آ گئے؟ وہ کونسا کارخانہ ہے جس میں یہ تیار ہوا؟ وہ کونسا سانچہ ہے جس میں یہ ڈھلا ہے؟ اس کی یہ مخصوص شکل و صورت کیسے بن گئی؟ وہ کون خالق و صانع ہے جو اس کو عدم سے وجود میں لایا اور اس کو موجودہ شکل و صُورت میں پیدا کر دیا؟ آیا یہ خود اپنا خالق و صانع ہے یا اُس کا

کوئی خالق وصانع ہے؟ تو یقیناً عقلِ سلیم یہی فتویٰ دے گی کہ اس کا پیدا کرنے والا اس کو اس رنگ ڈھنگ میں بنانے والا وہی اللہ ہے جس نے پوری کائنات تخلیق فرمائی، جس نے تمام اشیاء کو جس طرح چاہا پیدا کیا اور بنایا۔ عقل یہ تسلیم ہی نہیں کر سکتی کہ کوئی بھی چیز خود بخود بن جائے، اپنے آپ معرضِ وجود میں آجائے یا مخلوق میں سے کوئی خواہ وہ کتنا ہی بڑا سائنسدان، انجینئر یا کاریگر ہو ایک ذرہ یا تنکا ہی تخلیق کر سکے۔ الغرض سلیم العقل انسان جس چیز پر بھی غور و فکر کرے گا تو بالآخر نوبت "اللہ تعالیٰ" تک پہنچے گی۔ دوسری کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔ درحقیقت خالقِ کائنات "اللہ تعالیٰ" نے صرف انسان کی خاطر پوری کائنات کو پیدا کیا اور کائنات کی ہر چیز کو انسان کی پرورش اور خدمت کے لئے مسخر کیا۔ اپنی بھرپور نعمتیں عطا کیں، انسان کو عقل و شعور عطا کیا۔ کان، آنکھ، دل، آلاتِ علم و ادراک عنایت فرمائے تاکہ وہ ان سے خدمت لے، ان سے نفع حاصل کرے، ان میں تصرف کرے اور ان میں غور و فکر کرے تفکر و تدبر سے معرفتِ الٰہی حاصل کرے۔ "قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ (پ ۲۹ ع ۲) تم فرماؤ (اے محبوب صلی اللہ علیک وسلم) وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (جو آلاتِ علم ہیں) کتنا کم حق مانتے ہو؟ کہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے قویٰ اور آلاتِ ادراک سے وہ کام نہیں لیتے جس کے لئے وہ عطا ہوئے یہی سبب ہے کہ شرک و کفر میں مبتلا ہوتے ہو۔" قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ (پ ۷ ع ۱۹) تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں آئیں تمہارے رب کی طرف سے تو جس نے

دیکھا تو اپنے بھلے کو اور جو اندھا ہوا اپنے بُرے کو۔"

عارف باللہ حضرت مولانا رُومی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں ؎

ہرچہ را خوب و خوش و زیبا کنند ؎ از برائے دیدۂ بینا کنند

جس چیز کو جمیل و شکیل اور خوبصورت بنایا جاتا ہے اُسے اس آنکھ کے لئے بنایا جاتا ہے جو نظر رکھتی ہے' اندھے کو کیا دکھایا جائے گا؟

کے بود آواز چنگ از زیر و بمّ ؎ از برائے گوشِ بے حسِّ اَصَمّ

زیر و بم کی سُریلی و خنک آواز جو سُرنگی سے نکلتی ہے' بہرے کے بے حِس کان کے لئے کیونکر مناسب ہو سکتی ہے؟

مُشک را حق بیہدہ خوشدم نہ کرد ؎ بہرِ شم کرد و پئے اخشم نہ کرد

مُشک (کستوری) کو خدا تعالیٰ نے بے فائدہ خوشبودار نہیں بنایا اُس کو سونگھنے کے لئے بنایا ہے اُس شخص کے لئے نہیں جس میں سونگھنے کی طاقت نہ ہو۔

نائے را حق بیہدہ خوشدم نہ کرد ؎ بہرِ انس آمد پئے اَہرم نہ کرد

بانسری کو حق تعالیٰ نے بے فائدہ خوش آواز نہیں بنایا انسان کے لئے بنایا ہے' (محبّتِ الٰہی کو ترقی دینے کے لئے ہے) شیطان کے لئے نہیں۔

حق زمین و آسماں بر ساختہ است ؎ درمیاں بس نُور و نار افراختہ است

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان بنا کر اُن کے درمیان بہت سے نُور و نار (خیر و شر) بلند کئے ہیں۔

ایں زمیں را از برائے خاکیاں ؎ آسماں را مسکنِ افلاکیاں

اِس زمین کو خاک سے پیدا شُدہ چیزوں موالیدِ ثلاثہ' جمادات' نباتات' حیوانات' کے لئے بنایا۔ پیدا کیا۔ آسمان کو اہلِ افلاک فرشتوں' ارواح اور مجرّدات کے رہنے

کا مقام بنایا۔

مردِ سفلی دشمنِ بالا بود　　　　مشتریٔ ہر مکاں پیدا بود

کُند ذہن آدمی کی نظر پستی میں محدود رہتی ہے وہ مطالب (معارف) عالیہ کا ادراک نہیں کر سکتا اور ذکی الطبع اور روشن دل آدمی حقائق و معارف کے فلک کی سیر کرتا ہے وہ ادنیٰ مطالب میں محصور نہیں رہتا' وہی ان حقائق و معارف کو سننے اور سمجھنے کا اہل بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواسِ خمسہ ظاہری اور حواسِ خمسہ باطنی اس لئے عطا فرمائے ہیں کہ انسان ان آلاتِ علمِ ظاہری و باطنی سے حق تعالیٰ کے نشاناتِ (آیات و علاماتِ) ظاہری و باطنی کو محسوس کرے اور اِن میں غور و تفکر کرتے ہوئے معرفتِ الٰہی حاصل کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ○

(پ ۱۵ ع ۴) بے شک کان اور آنکھ اور دل اِن سب سے سوال ہونا ہے کہ تم نے ان سے کیا کام لیا؟ آیاتِ اللہ میں غور و فکر کیا یا غفلت میں زندگی بسر کر دی؟

غور و فکر سے انسان معرفتِ الٰہی حاصل کرتا ہے' جُوں جُوں معرفت میں ترقّی حاصل ہوتی ہے محبّتِ الٰہی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے' اس لئے کہ یہ خلیفہ یا نائب الٰہی انسان ہی کا منصب ہے کہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اسکی محبّت میں ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے واصل باللہ ہو جائے "مرضاتِ اللہ" کی تکمیل کرے' ملائکہ اور جنّات دونوں معرفتِ الٰہی کے اِس مقام سے ناآشنا ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے وہ استعداد نہیں بخشی جو انسان کو عطا فرمائی اور اسی لئے یہ دونوں خلافت و نیابت کے لائق نہ ہوئے لیکن وہ غافل

انسان جو آسمان و زمین کی وسعتوں پر محیط کائنات میں رہتے ہیں ہر وقت اس کے عجائبات دیکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے استفادہ کرتے ہیں مگر ان میں غور و فکر نہیں کرتے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: " وَكَأَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ (پ ۱۳ ع ۶) اور کتنی نشانیاں ہیں (خالق اور اسکی توحید وصفات پر دلالت کرنے والی) آسمانوں اور زمین میں اکثر لوگ ان پر گذرتے ہیں (اور ان کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن تفکر نہیں کرتے، عبرت نہیں حاصل کرتے) اور ان سے بے خبر رہتے ہیں۔" نیز فرمایا: " اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ ۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝ (پ ۹ ع ۱۳) کیا انہوں نے نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور جو جو چیز اللہ نے بنائی (ان سب میں اللہ کی وحدانیت اور کمالِ حکمت و قدرت کی روشن دلیلیں ہیں) اور یہ کہ شاید ان کا وعدہ نزدیک آگیا ہو (اور وہ کفر پر مر جائیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائیں، ایسے حال میں عاقل پر ضروری ہے کہ وہ سوچے سمجھے دلائل پر نظر کرے) تو اس کے بعد اور کون سی بات پر یقین لائیں گے؟" یعنی قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب اور سیدِ عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے بعد اور کوئی رسول آنے والا نہیں جس کا انتظار ہو، کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ ارشادِ حق تعالیٰ ہے: " اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (پ ۹ ع ۱۷) بے شک سب جانوروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جن کو عقل نہیں۔" خداداد عقل سے کام نہیں لیتے نہ وہ حق سنتے ہیں

نہ حق بولتے ہیں نہ حق کو سمجھتے ہیں، کان اور زبان اور عقل سے فائدہ نہیں اُٹھاتے جانوروں سے بدتر ہیں، کیونکہ یہ دیدہ و دانستہ بہرے گونگے بنتے ہیں اور عقل سے دشمنی کرتے ہیں اور چونکہ عقل سے کام نہیں لیتے آیاتِ الٰہی میں غور و فکر نہیں کرتے اس لئے چوپاؤں سے بدتر ہیں۔ نیز فرمایا: "وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ○ (پ ۱۵ ع ۸) اور جو کوئی اس دنیا کی زندگی میں (حق دیکھنے سے) اندھا ہو، وہ آخرت میں اندھا ہے۔ (نجات کی راہ سے یعنی جو دنیا میں کافر گمراہ ہے وہ آخرت میں اندھا ہوگا) اور، اور بھی زیادہ گمراہ"۔ نیز فرمایا: "وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ (پ ۹ ع ۱۲) اور بے شک ہم نے جہنّم کے لئے پیدا کئے بہت جنّ اور آدمی (یعنی کفّار جو آیاتِ الٰہیّہ میں تدبّر سے اعراض کرتے ہیں اور انکا کافر ہونا اللہ کے علمِ ازلی میں ہے) وہ دِل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں (یعنی حق سے اعراض کرکے آیاتِ الٰہیّہ میں تدبّر کرنے سے محروم ہو گئے اور یہی دل کا خاص کام تھا) اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں (راہِ حق و ہدایت اور آیاتِ الٰہیہ اور دلائل توحید) اور وہ کان جن سے سنتے نہیں (موعظت و نصیحت کو بہ گوش قبول، لہٰذا) وہ چوپایوں کی طرح ہیں (کہ اپنے قلب و حواس سے مدارک علمیہ و معارفِ ربّانیہ کا ادراک نہیں کرتے۔ کھانے پینے کے دُنیاوی کاموں میں تمام حیوانات بھی اپنے حواس سے کام لیتے ہیں۔ انسان بھی اتنا ہی کرتا رہا تو اس کو بہائم پر کیا فضیلت؟) بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ (کیونکہ چوپایہ بھی اپنے

نفع کی طرف بڑھتا ہے اور ضرر سے بچتا ہے اور اس سے پیچھے ہٹتا ہے اور کافر جہنم کی راہ چل کر اپنا ضرر اختیار کرتا ہے تو اس سے بدتر ہوا - آدمی رُوحانی، شہوانی، سماوی، ارضی ہے جب اس کی رُوح شہوت پر غالب ہوجاتی ہے تو ملائکہ سے فائق ہوجاتا ہے، اور جب شہوات رُوح پر غلبہ پاجاتی ہیں تو زمین کے جانوروں سے بدتر ہوجاتا ہے) وہی غفلت میں پڑے ہیں)"

عارفِ رومیؒ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

ہر کرا باشد زسینہ فتح باب　　　اُو زہر ذرّہ بہ بیند آفتاب

جس شخص کے سینہ کا دروازہ کھُل جائے یعنی شرح صدر ہوجائے تو وہ ہر ذرّہ میں آفتابِ حق کا مشاہدہ کرتا ہے ؎

آدمی دیدست باقی پوست است　　　دید آں باشد کہ دیدِ دوست است

آدمی تو ادراکِ حقیقت کی بینائی ہے، یعنی انسان کا معنیٰ رُوح ہے، اور رُوح کا منصب یہ ہے کہ ادراکِ حقیقت کرے باقی سب پوست ہے، یعنی خاکی جسم گوشت پوست کا ہے اور رُوح کا مرکب و آلہ ہے اور بینائی بھی وہی بینائی ہے جو دوستِ حقیقی کو دیکھے۔ اشیائے کائنات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ کرے، اسی دید کی استعداد نے تو انسان کو تمام حیوانات سے ممتاز و برتر کیا ہے، پس جو ادراکِ حقیقت نہ کرے وہ حیوان سے بدتر ہے ؎

پنبۂ وسواس بیروں کُن زگوش　　　تا بہ گوشت آید از گردوں خروش

کان سے وسواس (انہماک فی الدنیا) کی رُوئی نکال دو تاکہ آسمانوں کا شور (یعنی تسبیحاتِ ملائکہ کی آوازیں) تمہارے کان میں سُنائی دے۔ ان کے علاوہ تمام شجر و حجر، طیور و وحوش کی تسبیحات کی نغمے بلند ہو رہے ہیں لیکن ؎

تیز گوشاں راز ایشاں بشنوند　　غافلاں آواز ہا را نشنوند

جو لوگ تیز شنوائی رکھتے ہیں، یعنی حقیقت بیں و حقیقت شناس اہلِ کشف ہیں، وہ اُن کی آواز سنتے ہیں مگر غافل لوگ ان آوازوں کو نہیں سُنتے ؎

نشنود آں نغمہا را گوشِ حس　　کز سخنہا گوشِ حس باشد نجس

اِن نغموں کو حسِ ظاہری کا کان نہیں سُن سکتا (سمجھ نہیں سکتا) کیونکہ حسِ ظاہری کا کان بیہودہ باتوں سے نجس ہو جاتا ہے، یعنی جو شخص لغو اور فضول باتیں سُننے کا خوگر ہو، وہ اِن کیفیات سے مستفید نہیں ہو سکتا کہ اس کا دِل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ (پ ۱۵ ع ۴) اُس کی پاکی بولتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی اِن میں ہیں (زبانِ حال سے اس طرح کہ ان کے وجود صانع کے قدرت و حکمت پر دلالت کرتے ہیں، یا زبانِ قال سے اور یہی صحیح ہے، احادیثِ کثیرہ اس پر دلالت کرتی ہیں اور سلف سے یہی منقول ہے) اور کوئی چیز نہیں (جماد و نبات و حیوان سے زندہ) جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے۔" (حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ ہر زندہ چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور ہر چیز کی زندگی اس کے حسب حیثیت ہے) ہاں تم اُن کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ اختلافِ لُغات کے باعث یا دشواریٔ ادراک کے سبب۔ (خزائن العرفان)

حضرت مصلح الدین شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است　　ولے داند دریں معنیٰ کہ ہوش است

مخلوق میں جو کچھ تجھے دکھائی دیتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف

ہے لیکن یہ حقیقت وہی جانتا ہے جو صاحبِ ہوش ہے ؎

نہ بُلبل بر گلش تسبیح خوانے ست   کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانے ست

اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ پھُول پر صرف بلبل ہی اس کی تسبیح خواں نہیں بلکہ ہر کانٹا اس کی تسبیح میں رطبُ اللسان ہے ؎

دانی چہ گفت مرا آں بلبل سحری   تُو خود چہ آدمیٔ کز عشق بے خبری
اُشتر بہ شعرِ عرب درحالتِ مستؔ و طرب   گر ذوق نیست ترا کژ طبع جانوری

تجھے کچھُ پتہ ہے؟ کہ مجھ سے اُس بوقتِ سحر چہکنے والی بلبل نے کیا کہا۔ اُس نے کہا کہ تُو بھی کوئی آدمی ہے؟ کہ عشقِ الٰہی سے بے خبر ہے۔ ایک عرب کا شعر سُن کر ایک اُونٹ تو حالتِ مستی میں آگیا اور تجھ پر کچھُ اثر واقع نہ ہوا۔ اگر تجھ کو ذوق نہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تُو کج طبع جانور ہے' انسان نہیں ہے!

حُجّۃ الاسلام حضرت امام غزالی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں: "تو پھر اس شخص کو اندھا نہ کہو گے تو کیا کہو گے؟ جو یہ سب کچھُ دیکھتا ہے اور اُن کے خالق کی عظمت سے مدہوش نہیں ہو جاتا' اور اُس کے لُطفِ بے پایاں اور شفقتِ کاملہ پر محوِ حیرت نہیں ہوتا اور اس کے جلال و اجلال کا عاشق نہیں ہو جاتا۔

زہے وہ بدبخت حیوان صفت اور غافل انسان جو ان عجائبات میں تفکّر نہیں کرتا۔ تُف ہے اُس پر جسے اپنے بدن کی ساخت پر حیرت نہیں ہوتی۔ افسوس ہے اُس پر جو اس عقل کو فضول گنوا رہا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے' اور جو دُنیا بھر کی تمام اشیاء سے قیمتی ہے۔ افسوس ہے اُس پر جسے اس کے سوا کچھُ پتہ نہ ہو کہ بھُوک لگی ہے تو پیٹ بھر لیا اور غصّے کا بھُوت سوار ہوا تو کسی سے گتھّم گتھّا ہو لیئے اور حیوانوں کی طرح گلشنِ معرفت کے رنگا رنگ نظّاروں سے

بے خبر اور محروم ہی رہے جو حق تعالیٰ نے اس کے لئے (بلکہ خود اس کے اندر بھی) پیدا کر رکھے ہیں "۔ اور عجائب مخلوقات کا ذکر فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں" اور اِس قسم کے عجائب بھی بے حد و حساب ہیں اور کس کی مجال ہے کہ ان لاکھوں میں سے ایک کی شناخت کا بھی دعویٰ کر سکے اور پھر اسے بیان بھی کر سکے' اور ان حیوانات کی تخلیق و آفرینش کے بارے میں کیا کہو گے؟ جو اتنی عجیب و غریب شکلوں میں' طُرفہ و بے مثال رنگوں میں' گوناگوں پیاری پیاری صُورتوں میں' اپنے سڈول اور پھرتیلے بدنوں کے ساتھ متناسب اعضائے لئے ہوئے خود بخود وجود میں آ گئے' یا تُو نے اُنھیں زندگی بخش دی ہے؟ اللہ' اللہ' یہ شان اُسی مالکِ حقیقی کی ہے کہ آنکھوں کی روشنی کو برقرار رکھتے ہوئے بھی اُنہیں بینائی سے محروم کر سکتا ہے' تاکہ صحیح سلامت ہونے کے باوجود وہ دیکھ نہ سکیں اور یہ قدرت بھی اُسی قادرِ مطلق کو حاصل ہے کہ دِلوں کو غفلت کا شکار کر دے تاکہ وہ سوچ نہ سکیں اور فکر کی قوت ان میں باقی نہ رہے۔ چنانچہ کتنے ہی بدبخت ہیں کہ ظاہری آنکھیں موجود ہیں اور ان سے دیکھتے بھی ہیں لیکن باطن کی آنکھوں سے دیکھنا اور دل کی آنکھ سے عبرت پکڑنے کی توفیق اُنہیں کبھی نہیں ہوتی؛ اور ان کی سماعت کا یہ حال ہے کہ جو بات سُننے کی ہوتی ہے اُسے نہیں سُن پاتے حالانکہ لغو و بیہودہ باتیں سُنتے اُن کے کان نہیں تھکتے' دراصل جانوروں کی طرح سوائے آواز کو آواز کہنے کے اور کچھ خبر ہی نہیں ہوتی' وہ یہ شعور نہیں رکھتے کہ آواز کے معنی کیا ہیں؟ وہ چڑیوں کے نغمے سنتے ہیں لیکن چونکہ وہ حروف و آواز پر مشتمل نہیں ہوتے اِس لئے انہیں صرف آواز تصوّر کرتے ہیں' (اُنہیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بھی تسبیح و ذکر میں مشغول رہا کرتی ہیں)' اسی طرح جو چیزیں دیدنی ہیں اور صحیح معنوں میں

قابلِ نظّارہ ہیں' اُن کی دِید انہیں نصیب نہیں ہوتی' وہ انہیں دیکھنے کی تاب ہی کہاں رکھتے ہیں' انہیں تو حروف و تحریروں کی صُورت میں تحریر دکھائی دینی چاہیئے کہ اسے پڑھ سکیں اور الفاظ کی شکلوں کو تکتے رہا کریں' اور یہ خطِ الٰہی اور تحریرِ ربّانی جو کائنات کے ذرّے ذرّے پر ثبت ہے' چونکہ اس خط میں اور ان حروف میں لکّھی ہوئی نہیں ہے' اس لئے انہیں دکھائی ہی نہیں دیتی حالانکہ قلمِ الٰہی کے یہ نقوش ہر طرف دکھائی دے سکتے ہیں' لیکن وہ انہیں دیکھنے کیلئے آنکھیں لائیں تو کہاں سے؟" (کیمیائے سعادت)

حضرت شاہ شرف الدین بُو علی قلندر قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں:

غافلی از یارِ خود اے بے خبر — چند باشی بے خبر چوں گاؤ خر

چشمِ دل بکشا جمالِ یار بیں — ہر طرف ہر سُو رُخِ دلدار بیں

چشم باید تا بہ بیند رُوئے یار — جلوہ گر دست در ہر شئے نگار

نیست پوشیدہ رُخِ دلدارِ تو — لیک ایں نقص ست در ابصارِ تو

(مثنوی بُو علی قلندر علیہ الرحمۃ)

اے غافل انسان! تُو اپنے دوستِ حقیقی سے بے خبر ہے' بیل اور گدھے کی طرح تُو کب تک بے خبر رہے گا؟ دل کی آنکھ کھول جمالِ یار کا نظارہ کر' ہر سُو رُخِ دلدار کو دیکھ' چشمِ بصیرت درکار ہے جو کہ یار کا دیدار کر سکے' معشوقِ حقیقی تو ہر شے میں جلوہ گر ہے' تیرے دلدار کا رُخِ روشن پوشیدہ نہیں ہے لیکن یہ تیری آنکھوں کا قصور ہے کہ اسے دیکھ نہیں پاتیں ورنہ اینما تولّوا فثم وجہ اللہ۔

ہر چیز مخصوص علامات اور دلائل سے پہچانی جاتی ہے مثلاً دھواں آگ کی علامت ہے اگر کہیں سے دُھواں اٹھتا ہوا دکھائی دے تو وہ اِس اَمر کی دلیل

ہے کہ وہاں آگ کا وجود ہے۔ دھوپ اور اس کی روشنی آفتاب کی علامت ہے
دھوپ کو دیکھ کر سُورج کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے ؎

خود نہ باشد آفتابے رادلیل　　　جُز کہ نُورِ آفتابِ مستطیل

(مثنوی معنوی)

آفتاب کے موجود ہونے کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ اتنے بڑے آفتاب کا نُور جہان کو منوّر کر رہا ہے تاہم آفتاب کے لئے کوئی بیوقوف دلیل طلب کرے تو اس کے لئے دلیل یہی ہو سکتی ہے کہ اس کی گردن پکڑ کر اُسکو آفتاب دکھایا جائے اور پُوچھا جائے کہ یہ کیا ہے؟ جس کے نُور سے یہ جہان روشن ہو رہا ہے اور اگر کوئی عقل کا اندھا دھواں دیکھکر بھی آگ کے موجود ہونے کا منکر ہو تو اس کی ہٹ دھرمی کا علاج یہی ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر آگ میں ڈال دیا جائے اور پھر پُوچھا جائے کہ اب بتا یہ کیا چیز ہے؟ بارش برس رہی ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بادل ہے۔ رات کے وقت چاندنی چھٹک رہی ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چاند آسمان پر جلوہ گر ہے۔ زمین پر قدموں کے نشان دیکھکر یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہاں سے کوئی گذرا ہے۔ کوئی بھی عمارت اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی معمار ہے جس نے یہ عمارت تعمیر کی۔ درخت اور نباتات کے پتے ہل رہے ہوں، پودے جھُوم رہے ہوں تو یہ اِس امر کی علامت ہے کہ ہَوا چل رہی ہے۔ تصویر کو دیکھ کر مصوّر کا یقین ہوتا ہے جس نے اِس تصویر کو بنایا کیونکہ کوئی بھی چیز خود بخود نہیں بن سکتی ؎

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد　　　ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد

(مثنوی معنوی)

کوئی چیز خود بخود نہیں بن سکتی کوئی لوہا خود بخود تلوار نہ بن سکا۔ الغرض متحرک سے محرّک، سبب سے مُسبّب، اثر سے مؤثر پر استدلال تقاضائے عقل ہے۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور حقیر سے حقیر چیز بھی از خود وجود میں نہیں آسکتی۔ ہر وجود کے لئے مُوجد کی ضرورت ہوتی ہے ؎

صُورتِ دیوار و سقفِ ہر مکاں　　سایۂ اندیشۂ معمار داں!

بنی ہوئی دیواریں اور مکان پر بنی ہوئی چھت دیکھ کر سمجھ لے کہ یہ کسی معمار کی کاریگری کا نتیجہ ہے ؎

پس یقیں در عقلِ ہر دانندہ است　　ایں کہ با جنبیدہ جُنبانندہ است

پس ہر سمجھدار آدمی کی عقل میں یہ بات یقینی ہے کہ جو چیز حرکت میں ہے اسے کوئی حرکت دے رہا ہے ؎

تن بہ جاں جُنبد نمی بینی تو جاں　　لیک از جنبیدنِ تن جاں بداں

اے غافل! اگرچہ تُو روح کو نہیں دیکھتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ رُوح سے ہی بدن متحرک ہے۔ جسم کے متحرک ہونے سے رُوح کے وجود کا یقین کر کہ رُوح ہے اگر بدن میں رُوح نہ ہو تو بدن میں حرکت کبھی نہ ہو۔ جسم کی حرکت زندگی کی علامت ہے اور زندگی رُوح کے وجود پر دلیل ہے۔ تو اب تُو اس بات پر غور کر کہ اتنا بڑا وسیع آسمان اتنی بلندی پر بغیر کسی ستون کے قائم ہے۔ وسعتِ کائنات میں تفکّر و تعقّل سے کام لے کہ اتنی وسیع و عریض زمین پانی پر بچھی ہوئی ہے۔ آسمان میں سُورج چاند اور ستاروں کی گردش۔ زمین پر پہاڑ، دریا، درخت، حیوانات، درند، چرند، پرند اور انسان وغیرہ موجود ہیں۔ آیا یہ ساری مخلوق خود بخود وجود میں آگئی؟ دن رات کی گردش، چاند سُورج کا طلوع و

غروب، موسموں کا تغیر و تبدل، ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا برسنا، کھیتوں کا لہلہانا، ندی نالوں اور دریاؤں کا بہنا، اعضائے انسانی کی ترتیب، ہر شے کا عروج و زوال یہ سب کچھ اپنے آپ ہو رہا ہے؟ کیا اس عظیم الشان منصوبہ و نظام کے پیچھے کسی ایسے خالق مطلق اور منصوبہ ساز کا ہاتھ نہیں ہے جو علم و حکمت، قوت و قدرت، اور ارادہ و اختیار کا مالک ہو؟ عقل نہیں مانتی کہ نظام تو موجود ہو اور اُس نظام کا قائم کرنے والا کوئی نہ ہو، مخلوق تو موجود ہو اور خالق کوئی نہ ہو، یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ ایک اعرابی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھا، اللہ اللہ، پکار رہا تھا۔ کسی فلسفی نے اس نے پوچھا۔ "تُو اللہ کو کیسے پہچانتا ہے؟" اعرابی نے جواب دیا۔ "البعرة تدل علی البعیر و آثار الاقدام علی المسیر فالسماء ذات الابراج والارض ذات الفجاج کیف لا یدلان علی اللطیف الخبیر؟ جس طرح اُونٹ کی مینگنیاں دلالت کرتی ہیں کہ ادھر سے کوئی اُونٹ گذرا ہے اور قدموں کے نشانات راستہ پر چلنے والوں کا پتہ دیتے ہیں تو پھر بُرجوں والا آسمان اور کُشادہ راستوں والی زمین یہ دونوں (عظیم الشان) نشانیاں (اللہ) لطیف و خبیر کے وجود پر کیونکر دلالت نہ کریں گی؟ کیا اتنے وسیع، اتنے بڑے کارخانے کو دیکھ کر میں سمجھ نہیں سکتا کہ اُس کا پیدا کرنے اور اس کو چلانے والا خُدا ہے۔ کائنات کا وجود، کائنات کا نظم و ضبط اور ربط و ترتیب وجود باری تعالیٰ پر بیّن دلیل ہے۔ عالمِ دنیا کا ذرہ ذرہ اس کی وحدانیت کا گواہ ہے۔ عارف باللہ مولانا رُومی قدسنا اللہ باسرارہٗ العزیز فرماتے ہیں ؎

گر تُو اُو را مے نہ بینی در نظر ✤ فہم کُن آما بہ اظہارِ اثر

اگر تو اللہ تعالیٰ کو اپنی نظر سے نہیں دیکھ سکتا تو اس کی مخلوقات میں

غور و فکر کر ظہورِ اثر کو دیکھ کر مؤثر کے وجود کا یقین حاصل کر کہ بغیر مؤثر کے اثر کا وجود عقلاً محال ہے۔ اشیائے کائنات میں مؤثرات اور متاثرات کے مستحکم نظام کو دیکھ کر اس نظام کے بنانے والے، قائم کرنے والے حقیقی مؤثر کو پہچان کہ وہ کون ہے۔

بہ نزدِ عقلِ ہر دانندۂ ہست   کہ با گردندہ گردانندۂ ہست
قیاسِ چرخِ گرداں راہمہ گیر   ازاں چرخہ کہ گرداند زنِ پیر

ہر عقل مند کی عقل کے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ ہر پھرنے والی چیز کے ساتھ پھرانے والا ہے۔ اس چرخہ سے جس کو بڑھیا چلا رہی ہے چرخِ گرداں یعنی آفتاب و مہتاب و دیگر سیّارگان کی گردش کو خیال کر لو۔ آثار کے وجود سے ان کے مؤثر کا پتہ لگتا ہے اور نقوش کا مشاہدہ ان کے نقّاش کی طرف رہنمائی کرتا ہے ؎

دل گواہ ہست کہ در پردہ دل آرائے ہست
ہستیٔ قطرہ دلیل است کہ دریائے ہست

کائنات اور کائنات کے عجائبات اور نظم و ضبط کو دیکھ کر دل گواہی دیتا ہے کہ کوئی اس کائنات کا خالق اور نظم و ضبط قائم فرمانے والا محبوب موجود ہے جو اس کارخانۂ عالَم کو چلا رہا ہے، قطرۂ پانی کا موجود ہونا دریا کے وجود پر دلیل ہے کہ اگر دریا نہ ہوتا تو پانی کا قطرہ کیونکر موجود ہوتا؟ کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے، تصرفات و اختیاراتِ الٰہیہ سے ہوتا ہے۔ جدھر نظر ڈالی جائے ایک تسلسل ایک ضابطہ اور ایک حاکمِ مُطلق کی حاکمیت نظر آتی ہے۔ عارف رُومی قدس سرہٗ العزیز نے چرخہ کاتنے والی بڑھیا کی مثال دیکر اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر بہترین استدلال فرمایا ہے۔ ایک بڑھیا بیٹھی چرخہ کات رہی تھی کہ ایک مولوی نے اس سے دریافت کیا۔ "اماں! ساری عمر چرخہ ہی کاتنے میں گذری یا کوئی خُدا

کی پہچان بھی حاصل کی؟ بڑھیا نے جواب دیا۔ "بیٹا! خدا کا شکر ہے کہ تھوڑی بہت اس کی پہچان ہے۔" مولوی نے پوچھا۔ "اچھا، تو بتائیے خدا ہے یا نہیں؟" بڑھیا نے کہا۔ "ہے اور یقیناً ہے۔" مولوی نے کہا۔ "اس کی دلیل کیا ہے؟" بڑھیا بولی "دلیل۔ یہ میرا چرخہ!" مولوی نے کہا۔ "یہ کیسے؟" بڑھیا نے کہا۔ "جب تک میرے اس چرخہ کو کوئی چلانے والا نہ ہو، یہ نہیں چلتا۔ تو میں نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ جب میرے اس چھوٹے سے چرخہ کو کسی چلانے والے کی ضرورت ہے اور یہ بغیر چلانے والے کے نہیں چل سکتا تو زمین و آسمان کا اتنا بڑا چرخہ بغیر کسی چلانے والے کے کیونکر چل سکتا ہے؟" مولوی نے کہا۔ "اب یہ بتاؤ کہ زمین اور آسمان کا چرخہ چلانے والا ایک ہے یا دو ہیں؟" بڑھیا نے جواب دیا۔ "ایک ہے۔" مولوی نے پوچھا۔ "یہ کیسے؟" بڑھیا بولی۔ "یہ ایسے کہ چرخہ چلانے کے لئے اگر دو عورتیں بیٹھ جائیں تو یا تو وہ دونوں ایک ہی طرف کو چلائیں گی، یا پھر ایک ایک طرف کو اور دوسری، دوسری طرف کو۔ پہلی صورت میں چرخہ معمول سے زیادہ تیز چلنے لگے گا اور دوسری صورت میں یا رُک جائیگا یا ٹوٹ جائیگا لیکن اگر چلانے والی ایک ہوگی تو اپنی مرضی سے اسے معمول کے مطابق ایک ہی طرف کو چلاتی رہے گی تو اس سے میں نے یہ سمجھ لیا کہ اگر زمین و آسمان کے چرخے کو چلانے والے دو خدا ہوتے تو دُنیا کا نظام بگڑ جاتا یا زمین و آسمان کا چرخہ ٹوٹ پھوٹ جاتا مگر چونکہ ایسا نہیں ہے بلکہ کائنات کا ہر کام ایک رفتار سے پُورے نظم و ضبط کے ساتھ جاری و ساری ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ خُدا ہے اور ایک ہے۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ

رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (پ ۱۷ ع ۲) کیا انہوں نے زمین سے کچھ ایسے خُدا بنالئے ہیں (جواہر ارضیہ سے مثل سونے چاندی پتھر وغیرہ کے) کہ وہ کچھ پیدا کرتے ہیں؟ اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور وہ (آسمان و زمین) تباہ ہو جاتے (کیونکہ اگر خُدا سے وہ خُدا مراد لئے جائیں جن کی خدائی کے بُت پرست معتقد ہیں تو فسادِ عالَم کا لزوم ظاہر ہے کیونکہ وہ جمادات ہیں تدبیرِ عالَم پر اصلاً قدرت نہیں رکھتے اور اگر تعمیم کی جائے تو بھی لزومِ فساد یقینی ہے کیونکہ اگر دو۲ خدا فرض کئے جائیں تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ دونوں متفق ہونگے یا مختلف۔ اگر شئے واحد پر متفق ہوئے تو لازم آئے گا کہ ایک چیز دونوں کی مقدور ہو اور دونوں کی قدرت سے واقع ہو۔ یہ محال ہے اور اگر مختلف ہوئے تو ایک شے کے متعلق دونوں کے ارادے یا معاً واقع ہوں گے اور ایک ہی وقت میں وہ موجود و معدوم دونوں ہو جائے گی یا دونوں کے ارادے واقع نہ ہوں اور شے نہ موجود ہو نہ معدوم یا ایک کا ارادہ واقع ہو دوسرے کا واقع نہ ہو تو یہ تمام صُورتیں محال ہیں تو ثابت ہوا کہ فساد ہر تقدیر پر لازم ہے۔ توحید کی یہ قوی بُرہان ہے (تفسیر کبیر وغیرہ) تو پاکی ہے اللہ عرش کے مالک کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔" (خزائن العرفان)۔ الٰہ وہ ہے جو اپنی ذات اور صفاتِ کمالیہ میں مستغنی عن الغیر ہو اور تمام اشیأ صِرف اسی کی محتاج ہوں۔ فعّالٌ لّما یُرِید اور علیٰ کلّ شیٔ قدیرٌ ہو اور وہ ایک ہی ہو سکتا ہے دوسرے کا وجود ممکن ہی نہیں۔ اگر ایک سے زیادہ الٰہ تصوّر کئے جائیں اور فرض کیا جائے کہ ایک سے زیادہ الٰہ ہیں تو یہ ہر لحاظ سے عقلاً باطل ہے مثلاً الٰہ وہی ہو سکتا ہے جو قدیم ہو، واجبُ الوجود ہو تو تعدّدِ الٰہ محال ٹھہرا کہ قدیم ایک ہی ہو سکتا ہے

اور دوسرے اس کے بعد تو وہ حادث ٹھہرے قدیم نہ رہے واجبُ الوجود نہ ہوئے
اور اگر کہو کہ سب قدیم ہیں تو کوئی قدیم نہ رہا ہمعصر ٹھہرے۔ الٰہ وہی ہو سکتا ہے
جو قدیم ہو اور تعدّدِ الٰہ کی صُورت میں کوئی واجبُ الوجود بھی نہ ٹھہرا۔ واجب الوجود
بھی ایک ہو سکتا ہے جو دوسرا الٰہ فرض کیا جائے گا واجبُ الوجود نہ ہوگا' اور
واجبُ الوجود نہ ہوا تو وہ الٰہ بھی نہ ہوا۔ الٰہ وہی ہے جو واجبُ الوجود ہے۔ نیز
مفروضہ تعدّدِ الٰہ کی صُورت میں ایک اپنی مشیّت و قدرت کے تحت سُورج
کو حکم دے کہ" طلوع ہو" اور دوسرا حکم دے کہ "طلوع نہ ہو" تو بہ یک وقت
یہ ممکن نہیں کہ سُورج طلوع ہو بھی اور نہ بھی ہو۔ لامحالہ سُورج طلوع ہوگا یا
نہ ہوگا تو الٰہ وہی ہے جس کی مشیّت و قدرت کے تحت اس کا حکم نافذ ہوا۔
دوسرا الٰہ نہ ہوا کہ فعّالٌ لِمَا یُرِیدُ اور عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر نہ ہوا اور اگر
بہ یک وقت دونوں کا متفقہ حکم ہو کہ سُورج طلوع ہو یا طلوع نہ ہو تو لازم
آئے گا کہ سُورج دونوں کے تحت قدرت ہے۔ یہ محال ہے۔ الٰہ وہ ہے
جو مُستقلاً صفاتِ کمالیہ میں مُستغنی عن الغیر ہو اور تمام اشیائ صِرف اُسی کی
محتاج ہوں اور اس صُورت میں سُورج دونوں کا محتاج اور دونوں سے
مستغنی قرار پاتا ہے۔ یہ امر محال اور باطل ہے یا پھر دونوں سُورج کو نہ طلوع
ہونے کا حکم دیں اور نہ ہی طلوع نہ ہونے کا تو یہ صُورت بھی باطل ہے کہ سُورج
کے لئے طلوع و عدم طلوع ناممکن ہے اور یہ بھی محال ہے کہ ایک کا حکم واقع
ہو اور دوسرے کا واقع نہ ہو تو بہر صورت ثابت ہوا کہ تعدّدِ الٰہ کی صُورت میں
فساد لازم ہے۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ جب کہ ایک سلطنت
میں دو بادشاہ نہیں سماتے بادشاہ ایک ہی ہو سکتا ہے؛ اور اگر کوئی دوسرا

دعویدارِ تخت وحکومت پیدا ہوجائے تو برسرِ اقتدار بادشاہ اور دعویدار میں جنگ برپا ہوجاتی ہے تاآنکہ ایک غالب آجائے اور دوسرا مغلوب ہوجائے۔ جنگ ختم نہیں ہوتی اور اُن کی کشمکش کے نتیجے میں مُلک تباہ وبرباد ہوجاتا ہے' یہ تو ہے دُنیاوی بادشاہوں کی مثال چہ جائیکہ دو خُداؤں کی جنگ؟ بالفرض اگر ایک اللہ کے علاوہ اور کوئی الٰہ ہوتا تو کائنات ایک لمحہ بھر کے لئے بھی قائم رہ سکتی تھی؟ اور نظامِ کائنات اِس طرح ایک مربوط نظم ونسق کے ساتھ چل سکتا تھا؟ جس طرح کہ مُدّتہائے دراز سے چلتا آرہا ہے اس کا تو تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا۝ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۝ (پ ۱۵ ع ۵) تم فرماؤ اگر اس کے ساتھ اور خُدا ہوتے جیسا کہ کہتے ہیں جب تو وہ عرش کے مالک کی طرف کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے (اور اس سے برسرِ مقابلہ ہوتے جیسا بادشاہوں کا طریقہ ہے) اسے پاکی اور برتری ہے ان کی باتوں سے بڑی برتری۔" ثابت ہوا کہ اللہ ہے اور ایک ہے جس نے کائنات کی تخلیق فرمائی: "وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ۝ (پ ۲۳ ع ۴) اور وہی بڑا پیدا کرنے والا سب کچھ جانتا۔" اُسی نے ہر چیز پیدا کی اور ہر چیز اُسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ "اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۝ (پ ۲۴ ع ۳) اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز کا مختار ہے۔" بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۝

(پ ۷، ع ۱۹) بے کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا بنانے والا، اُس کے بچّہ کہاں سے ہو حالانکہ اس کی عورت نہیں (کیونکہ کوئی شے اس کی مثل نہیں) اور اس نے ہر شے پیدا کی اور وہ سب کچھ جانتا ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب (جس کی یہ صفات ہوں وہی مستحقِ عبادت ہے) اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں، ہر چیز کا بنانے والا، تو اس کی عبادت کرو وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

اس بات پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ پوری کائنات میں تمام چھوٹی بڑی مخلوق قانونِ قدرت کے تحت مقرّرہ حدود میں اپنے مقصدِ تخلیق کے فرائض سرانجام دینے میں مصروفِ کار ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ پوری کائنات کسی مخفی طاقت کے تابع و فرمانبردار ہے، اور یہ طاقت کائنات کی تمام اشیاء کو اپنی مشیّت کے مطابق اُن کی حدود میں رکھے ہوئے ہے۔ اُن میں توازن قائم کئے ہوئے اور اُن سے مطلوبہ کام کرا رہی ہے، اور کائنات میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس مخفی طاقت کے مقرر کردہ نظام کے خلاف کچھ کر سکے یا اس کی مشیّت میں مداخلت کر سکے۔ اسی مخفی طاقت کا نام خُدا ہے۔ "وَلَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ ۝ (پ ۲۱ ع ۶) اور اسی کے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ سب اس کے زیرِ حکم ہیں"۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلیل محکم اور واضح نشانی ہے، اللہ عزّوجلّ کا ارشاد ہے: "وَاٰیَۃٌ لَّہُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَۃُ ۚۖ اَحْیَیْنٰہَا وَاَخْرَجْنَا مِنْہَا حَبًّا فَمِنْہُ یَاْکُلُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِیْہَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِیْہَا مِنَ الْعُیُوْنِ ۝ لِیَاْکُلُوْا مِنْ ثَمَرِہٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْہُ اَیْدِیْہِمْ ؕ اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ ۝ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّہَا مِمَّا

تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝ وَاٰیَۃٌ لَّهُمُ الَّیۡلُ ۚۖ نَسۡلَخُ مِنۡهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمۡ مُّظۡلِمُوۡنَ ۝ وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ؕ وَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ ۝ لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَهَاۤ اَنۡ تُدۡرِكَ الۡقَمَرَ وَلَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیۡ فَلَكٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ۝ وَاٰیَۃٌ لَّهُمۡ اَنَّا حَمَلۡنَا ذُرِّیَّتَهُمۡ فِی الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ۝ وَخَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ مَا یَرۡكَبُوۡنَ ۝ وَاِنۡ نَّشَاۡ نُغۡرِقۡهُمۡ فَلَا صَرِیۡخَ لَهُمۡ وَلَا هُمۡ یُنۡقَذُوۡنَ ۝ اِلَّا رَحۡمَۃً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰی حِیۡنٍ ۝ (پ ۲۳ ع ۲) اور اُن کے لئے ایک نشانی مُردہ زمین ہے، ہم نے اسے زندہ کیا (پانی برساکر) اور پھر اس سے اناج نکالا تو اس میں سے کھاتے ہیں اور ہم نے اس میں (زمین میں) باغ بنائے کھجوروں اور انگوروں کے اور ہم نے اس میں کچھ چشمے بہائے کہ اس کے پھلوں میں سے کھائیں اور یہ ان کے ہاتھ کے بنائے نہیں تو کیا حق نہ مانیں گے؟ پاکی ہے اُسے جس نے سب جوڑے بنائے (اصناف واقسام) ان چیزوں سے جنہیں زمین اُگاتی ہے اور خود ان سے (اولاد ذکور واناث) اور ان چیزوں سے جن کی انہیں خبر نہیں (بحر وبر کی عجیب وغریب مخلوق جس کی انسانوں کو خبر بھی نہیں) اور ان کے لئے ایک نشانی (ہماری قدرتِ عظیمہ پر دلالت کرنے والی) رات ہے۔ ہم اس پر سے دن کھینچ لیتے ہیں (تو بالکل تاریک رہ جاتی ہے جس طرح کالے بھجنگے حبشی کا سفید لباس اُتار لیا جائے تو پھر وہ سیاہ ہی سیاہ رہ جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آسمان وزمین کے درمیان کی فضا اصل میں تاریک ہے۔ آفتاب کی روشنی اس کے لئے ایک سفید لباس کی طرح ہے جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو یہ لباس اُتر جاتا ہے

اور فضا اپنی اصلی حالت میں تاریک رہ جاتی ہے) جبھی وہ اندھیروں میں ہیں،
اور سُورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لئے (یعنی جہاں تک اس کی سَیر کی نہایت
مقرّر فرمائی گئی ہے اور وہ روزِ قیامت ہے اس وقت تک وہ چلتا ہی رہے گا یا
یہ معنیٰ ہیں کہ وہ اپنی منزلوں میں چلتا ہے اور جب سب سے دُور والے مغرب
میں پہنچتا ہے تو پھر لوٹ پڑتا ہے کیونکہ یہی اس کا مُستقر ہے) یہ حُکم ہے زبردست
علم والے کا (اور یہ نشانی ہے جو اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پہ دلالت
کرتی ہے) اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرّر کیں (چاند کی اٹھائیس منزلیں
ہیں۔ ہر شب ایک منزل میں ہوتا ہے اور پُوری منزلیں طے کرلیتا ہے نہ کم چلے
نہ زیادہ۔ طلوع کی تاریخ سے اٹھائیسویں تاریخ تک تمام منزلیں طے کرلیتا ہے
اور اگر مہینہ تیس کا ہو تو دو شب اور اُنتیس کا ہو تو ایک شب چُھپتا ہے اور جب
اپنے آخر منازل میں پہنچتا ہے تو باریک اور کمان کی طرح خمیدہ اور زرد ہو جاتا ہے)
یہاں تک کہ پھر ہوگیا جیسے کھجور کی پُرانی ڈال (جو سُوکھ کر پتلی اور خمیدہ اور زرد
ہوگئی ہو) سُورج کو نہیں پہنچتا کہ چاند کو پکڑلے (یعنی شب میں جو اس کے ظہورِ
شوکت کا وقت ہے اس کے ساتھ جمع ہو کر اس کے نُور کو مغلوب کرکے کیونکہ سُورج
اور چاند میں سے ہر ایک کے ظہورِ شوکت کے لئے ایک وقت مقرّر ہے سُورج کے
لئے دن اور چاند کے لئے رات) اور نہ رات، دن پر سبقت لے جائے (کہ دن کا
وقت پُورا ہونے سے پہلے آجائے۔ ایسا بھی نہیں بلکہ رات اور دن دونوں معیّن
حساب کتاب کے ساتھ آتے جاتے ہیں۔ کوئی ان میں سے اپنے وقت سے قبل
نہیں آتا اور آفتاب و ماہتاب میں سے کوئی دوسرے کے حدودِ شوکت میں دخل
نہیں ہوتا۔ نہ آفتاب رات میں چمکے نہ ماہتاب دن میں) اور ہر ایک ایک گھیرے

پیدا ہے اور اُن کے لئے ایک نشانی یہ ہے کہ انہیں ان کے بزرگوں کی پیٹھ میں ہم نے بھری کشتی میں سوار کیا (جو سامان و اسباب وغیرہ سے بھری ہوئی تھی۔ مُراد اس سے کشتی نوح علیہ السّلام ہے جس میں ان کے پہلے اجداد سوار کیے گئے تھے اور یہ اور ان کی ذُرّیتیں ان کی پُشت میں تھیں) اور ان کے لئے ویسی ہی کشتیاں بنائیں جن پر سوار ہوتے ہیں اور ہم چاہیں تو انہیں ڈبو دیں (باوجود کشتیوں کے) تو نہ کوئی اُن کی فریاد کو پہنچنے والا ہو اور نہ وہ بچائے جائیں۔ مگر ہماری طرف سے رحمت اور ایک وقت تک برتنے دینا۔"

نیز فرمایا: "وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِیُذِیْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (پ ۲۱ ع ۷) اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ ہوائیں بھیجتا ہے مژدہ سُناتی (بارش اور کثرتِ پیداوار کا) اور اس لئے کہ انہیں رحمت کا ذائقہ دے اور اس لئے کہ کشتی (دریا میں اُن ہواؤں سے) اس کے حکم سے چلے اور اس لئے کہ تم حق مانو اُن نعمتوں کا اور اللہ کی توحید قبول کرو۔" نیز فرمایا: "وَ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (پ ۱۸ ع ۵) اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اُسی کی طرف اُٹھنا ہے (روزِ قیامت) اور وہی جِلائے اور مارے اور اسی کے لئے ہیں رات اور دن کی تبدیلیں (یہ سب اس کی قدرت کے نشان ہیں) تو کیا تمہیں سمجھ نہیں؟"

نیز فرمایا: "اَلَّذِیْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ۔ (پ ۲۱ ع ۱۴) وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی۔" یعنی جو چیز جس مقصد کے لئے بنائی اور جس کام کے

لئے بنائی اُس کے مُطابق اس کی تخلیق فرمائی: "مَا تَرٰی فِی خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۔ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیْرٌ ۔" (پ ۲۹ ع ۱)۔ تُو رحمان کے بنانے میں کیا کوئی فرق دیکھتا ہے؟ (یعنی آسمانوں اور زمین کی مخلوقات کی پیدائش سے قُدرتِ الٰہی ظاہر ہے کہ اُس نے کیسے مستحکم، استوار، مُستقیم، مستوی، متناسب، بے ستون اتنی بلندی پر آسمان بنائے اور سطحِ آب پر کس قدر وسیع زمین بچھائی اور آسمان و زمین میں طرح طرح کی عجیب و غریب مخلوق پیدا فرمائی اس طرح کہ ان میں کوئی خامی و کمی دکھائی نہیں دیتی) تُو نگاہ اُٹھا کر دیکھ (آسمان کی طرف بارِ دگر) تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ اٹھا (اور بار بار دیکھ) نظر تیری طرف ناکام پلٹ آئیگی تھکی ماندی۔" کہ بار بار کی جستجو سے بھی تیری نظر کوئی خلل نہ پاسکے گی۔ ترتیب و تخلیقِ کائنات میں کوئی نقص دکھائی نہیں دیتا۔ پس باری تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر اس کی شانِ تخلیق اور کائنات میں نظم و باقاعدگی شاہدِ ناطق ہے۔ بشرطیکہ انسان عقلِ سلیم سے کام لے اور اشیائے کائنات میں غور و فکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی لئے عقل و شعور عطا فرما کر تمام مخلوق سے مُمتاز کیا اور حکم دیا ہے کہ مخلوقات میں تفکّر کے ذریعہ خالقِ کائنات کی معرفت حاصل کرے اور قرآن مجید میں بار بار اپنی آیات (نشانیاں) بیان کر کے کہیں فرمایا۔ "اِنّ فی ذالك لآیات لقوم یتفکّرون" کہیں فرمایا۔ "اِنّ فی ذالك لآیات لقوم یعقلون" کہیں فرمایا۔ "اِنّ فی ذالك لآیات لقوم یسمعون" اور کہیں فرمایا۔ "اِنّ فی ذالك لآیات للعالمین" بے شک

ان سب میں نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کیلئے۔ ان سب میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ بے شک ان سب میں نشانیاں ہیں سننے والوں کے لئے۔ بے شک ان سب میں نشانیاں ہیں علم والوں کے لئے؛ اور جو انسان حیوانوں کی طرح اشیائے کائنات کو صرف دیکھ تو لیتے ہیں مگر تفکر و تدبر سے کام نہیں لیتے۔ ان غافلوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: افلا یعقلون۔ تو پھر یہ عقل سے کیوں کام نہیں لیتے؟ کہیں فرمایا: افلا تعقلون۔ تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے؟ کہیں فرمایا: افلا یتدبرون۔ تو پھر یہ لوگ کیوں تدبر نہیں کرتے؟ وغیرہ۔

واضح رہے کہ معرفتِ الٰہی اگرچہ داخلِ ایمان نہیں مگر شرطِ ایمان ضرور ہے۔ معرفت کے مدارج مختلف ہیں عموماً اہلِ اسلام کے لئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ حق تعالیٰ خالق، معبود لاشریک لہٗ ہے اور متصف جمیع صفاتِ کمالیہ ہے پھر جس قدر آثارِ قدرت وغیرہ صفاتِ کمالیہ میں غور و تامل کیا جائے اسی قدر معرفت کی زیادتی ہوتی ہے اور جس قدر معرفت کی زیادتی ہو محبت زیادہ بڑھتی ہے جو باعثِ ترقئ مدارجِ قُرب ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اذا تقرب الناس الی خالقھم بالراع البر فتقرب الی اللہ بالعقل والتز تسبقھم بالدرجات والزلفیٰ عند الناس وعند اللہ۔ جب لوگ اپنے خالق کی طرف طرح طرح کی نیکیوں کے ساتھ تقرب چاہیں تو تم اللہ کی طرف عقل اور معارف کے ساتھ تقرب چاہو تاکہ ان (متقربین) سے سبقت لے جاؤ لوگوں پر درجات حاصل کرنے اور اللہ کا قُرب پانے میں۔" یعنی لوگ تو طاعات و عبادات وغیرہ اعمال کو وسیلۂ تقرب

بناتے ہیں، تم علوم و معارف کی طرف توجّہ کرو تاکہ تم حصولِ علم کے بعد طاعات و عبادات کی بجا آوری علیٰ وجہِ البصیرت کرسکو اور تم کو سب سے زیادہ قُربِ الٰہی میسّر ہو، تو تم بذریعہ طاعات و عبادات تقرّب چاہنے والوں سے سبقت لے جاؤ گے۔ اِس سے ثابت ہوا کہ علم، عمل سے افضل ہے جس کی بدولت کامل تقرّب حاصل ہو سکتا ہے۔ علم معرفت کے حصول کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔ حضرت مصلح الدین شیخ سعدی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں ؎

چُو شمع از پئے علم باید گداخت | کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

شمع کی مانند حصولِ علم کی خاطر پگھلتے رہنا چاہیئے (جد و جہد میں لگے رہنا چاہیئے) کہ علم کے بغیر خدا کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ عن ابن عبّاس قال تدارس العلم ساعةً من اللیل خیرٌ من احیاھا (رواہ الدارمی) حضرت ابن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا: رات کی ایک ساعت پڑھنا پڑھانا رات بھر جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر (افضل) ہے۔

عارف رُومی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں:

ہر کسے گر طاعتے پیش آورند | بہرِ قُربِ حضرتِ بیچون وچند

تُو تقرّب جُو بہ عقل و سرِّ خویش | نے چوں ایشاں بر کمال و برِّ خویش

اگر اور لوگ اس ذاتِ بے مثل اور بے نظیر کی بارگاہ میں قُرب حاصل کرنے کیلئے طاعت بجا لاتے ہیں تو تم اپنی عقل (معرفت) اور کیفیتِ باطن (یعنی محبّت) سے قُرب حاصل کرو، نہ کہ اُن لوگوں کی طرح محض اپنے کمال و اعمال پر بھروسہ کرو

؎ آدمی دید است باقی پوست است
دید آں باشد کہ دیدِ دوست است

آدمی تو ادراکِ حقیقت کی بینائی ہے باقی سب گوشت پوست ہے اور بینائی بھی وہی بینائی ہے جو دوست (حقیقی) کو دیکھے یعنی اگر انسان میں ادراکِ حقیقت نہیں تو وہ انسان کہلانے ہی کا مستحق نہیں۔ انسان کی تعریف ہے: "حیوانِ ناطق گویا نُطق" یعنی ادراکِ کلّیات و علمِ حقائق ہی نے اس کو حیوان کے درجے سے اُٹھا کر انسانیت پر فائز کیا ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر نرا حیوان کا حیوان ہے۔ چونکہ وہ نطق و ادراک جو حقیقتِ انسانی کا جزو ہے عام تھا اِسی لئے عارفِ رُومی علیہ الرحمۃ اس کی تخصیص فرماتے ہیں کہ ادراک میں سے وہی عِلم و ادراک ہمارے نزدیک معتبر ہے جس کا تعلّق محبوبِ حقیقی کے ساتھ ہو جو کہ محبوب اَزلی ہے اَبدی ہے ؎

چونکہ دید دوست نبوَد کُور بہ دوست کو باقی نباشد دُور بہ

جب دوست کا دیدار نہ ہو اُس سے اندھا اچّھا۔ جو دوست سَدا سلامت نہ ہو وہ دُور ہی اچّھا۔ اُس کو دُور سے سلام ہی اچّھا۔ کما قیل ؎

کُور باد آں چشم کو مشتاقِ دیدارے نہ شُد
قطع باد آں دست کو در گردنِ یارے نہ شُد

خُدا کرے کہ وہ آنکھ اندھی ہو جائے جو محبوب کے دیدار کی مشتاق نہ ہو اور وہ ہاتھ کٹ جائے جو گردنِ یار میں حمائل نہ ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ○ (پ ۲۱ ع ۴)

کیا انہوں نے اپنے جی میں نہ سوچا کہ اللہ نے پیدا نہ کئے آسمان اور زمین اور جو

کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ (کہ ہماری وحدانیت و قدرت پر دلالت کریں) اور ایک مقرر میعاد سے اور بے شک بہت سے لوگ اپنے رب سے ملنے کا انکار رکھتے ہیں"۔ یعنی آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عبث اور باطل نہیں بنایا۔ ان کی پیدائش میں بے شمار حکمتیں ہیں اور یہ کچھ ہمیشہ کے لئے نہیں بنایا بلکہ ایک مدت معین کر دی ہے۔ جب وہ مدت پوری ہو جائے گی تو یہ فنا ہو جائیں گے اور وہ مدت قیامت قائم ہونے کا وقت ہے مگر بہت سے لوگ بعث بعد الموت پر ایمان نہیں لاتے۔ (خزائن العرفان)

مادہ پرست، ملحد دہریئے خدا کے وجود کے منکر ہیں وہ مادہ کو تسلیم کرتے ہیں اور غیر مادیت کے منکر ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ مادہ قدیم ہے اسی کے تغیرات سے یہ پوری کائنات حادثاتی طور پر وجود میں آئی اور نظام کائنات بھی حادثاتی طور پر خود بخود چل رہا ہے وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ سائنس کی یہ نت نئی ایجادات خود بخود وجود میں نہیں آئیں اور سائنس کی یہ ایجادات بھی کسی موجد اور کنٹرول کرنے والے کی محتاج ہیں تو اتنی وسیع و عظیم کائنات بغیر خالق کے کیونکر معرض وجود میں آسکتی اور کنٹرول میں رہ سکتی ہے؟ در اصل "ایمان" یومنون بالغیب پر منحصر ہے اور مادہ پرست صرف ان ہی باتوں کو مانتے ہیں جن تک عقل و خرد، مادی وسائل، سائنسی آلات، مشاہدات و تجربات کی رسائی ہو، حالانکہ عقیدۂ توحید اور امورِ غیبیہ کے متعلق تمام عقائد و معتقدات غیرِ مادی اور مابعد الطبعیاتی ہیں، سائنس کی دسترس سے باہر ہیں۔ اس لئے کہ حواس کے ذریعہ عقل کام کرتی ہے اور حواس کا دائرہ محدود ہے اس محدود دائرہ سے باہر کی چیز تک ان کی رسائی نہیں تو لامحالہ عقل بھی محدود ٹھہری۔ غیر مادی

اور مابعد الطبعیاتی اُمورِ غیبیہ تک نہ حواس کی پہنچ ہے اور نہ عقل وہاں تک پہنچ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن کی تمام ترکاوشوں کا دارومدار محض عقل پر ہے وہ امورِ غیبیہ کو تسلیم نہیں کرتے حالانکہ یہ بزعمِ خود غلط سائنس داں جو خود کو عقلِ کُل گردانتے ہیں حواس اور عقل کی حقیقت و ماہیّت سے ہی بے خبر ہیں۔ جہلِ مُرکّب میں گرفتار ہیں۔ وہ یہ تک سوچ نہیں سکتے کہ جس عقل کے ذریعہ ہم اشیائے موجودہ کی آمیزش و ترتیب و ترکیب سے نئی نئی ایجادات کرتے ہیں آیا یہ اشیاء ہم نے پیدا کی ہیں؟ اور ان اشیاء کی آمیزش و ترتیب و ترکیب سے جو اثرات ظاہر ہوتے ہیں یہ تاثیرات کیا ہیں، کیوں ہیں اور آیا ان تاثیرات کے خالق ہم ہیں؟ یا کسی غیبی طاقت کی کارفرمائی سے یہ مؤثرات و متاثّرات کا نظام وابستہ ہے۔ ان کا دھیان اس طرف بھی نہیں جاتا کہ جس عقل اور جن آلاتِ عقل یعنی حواس کے ذریعہ ہم تجربات کرتے ہیں۔ یہ عقل ہم نے خود پیدا کی ہے؟ یا کسی کی عطا کردہ ہے۔ آلاتِ عقل، کان، آنکھ، دل اور دماغ وغیرہ ہم نے اپنے جسم میں اپنی کاریگری سے بنائے ہیں؟ یا ان کا بنانے والا کوئی اور ہے۔ یقیناً کوئی بھی دہریہ سائنسداں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میری عقل میری خود پیدا کردہ ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنے جسم کا مُوجد ہوں، میں نے اپنے جسم میں کان، آنکھ، دل، دماغ وغیرہ اعضاء خود بنائے اور ان میں محسوس کرنے اور سوچنے سمجھنے کی قوتیں بھی میری پیدا کردہ ہیں۔ نیز یہ بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنی مشیّت و قدرت سے پیدا ہوا ہوں اور جب چاہوں گا اپنی مرضی سے اپنے حسبِ منشا مرجاؤں گا۔ میری حیات و موت میرے قبضہ و اختیار میں ہے۔ تاہم اگر ان گمراہوں سے پوچھا جائے کہ یہ سب کچھ کیونکر ہوا اور کس کی مشیّت و قدرت

کے تحت ہو رہا ہے تو وہ یوں جواب دیتے ہیں : اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ۝ (پ ۱۸ ع ۳) وہ تو نہیں مگر ہماری دنیا کی زندگی (اس دُنیوی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں صرف اتنا ہی ہے کہ) ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں (کہ ہم میں کوئی پیدا ہوتا ہے کوئی مرتا ہے) اور ہمیں اُٹھنا نہیں"۔ یعنی مرنے کے بعد فنائے محض ہو جاتا ہے : " وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِکُنَا اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ۝ (پ ۲۵ ع ۱۹) اور بولے (ملحدین منکرین بعث) وہ تو نہیں مگر یہی ہماری دُنیا کی زندگی (یعنی اس زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں) مرتے ہیں اور جیتے ہیں (یعنی بعضے مرتے ہیں اور بعضے پیدا ہوتے ہیں) اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ (یعنی روز و شب کا دورہ، وہ اسی کو مؤثر اعتقاد کرتے ہیں اور ملک الموت کا اور بہ حکمِ الٰہی رُوحیں قبض کیے جانے کا انکار کرتے ہیں اور ہر ایک حادثہ کو "دہر" اور "زمانہ" کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اور انہیں اسکا علم نہیں (یعنی وہ یہ بات بے علمی سے کہتے ہیں) وہ تو نرے گمان دوڑاتے ہیں"۔ یعنی خلافِ واقعہ کہتے ہیں۔ اُن کا یہ کہنا کہ ہمارا جسم حادثاتی طور پر وجود میں آتا ہے، ہمارے اعضائے جسم عناصر کی ظہورِ ترتیب سے بنتے ہیں اور ہم خود بخود زندہ ہو جاتے ہیں اور ان ہی عناصر کے منتشر ہو جانے کا نام موت ہے ؎

زندگی کیا ہے؟ عناصر کا ظہورِ ترتیب ... موت کیا ہے؟ اِنھی اجزا کا پریشاں ہونا

سراسر ان کے فتورِ عقل، لاعلمی اور جہالت کی دلیل ہے۔ یہ فاتر العقل اتنا بھی نہیں سوچتے کہ یہ عناصر کیسے وجود میں آ گئے؟ نیز یہ کہ یہ بے جان عناصر اس قدر

عقل مند اور سمجھ دار ہیں کہ وہ خود بخود ایک خاص معیّن ترتیب کے ساتھ ہی مرتّب ہوتے اور آدمی کی مخصوص شکل میں ڈھل جاتے ہیں؟ نیز یہ کہ بے جان عناصر کے ظہورِ ترتیب سے جسم میں جان کا پڑ جانا کیونکر ممکن ہے؟ جو خود بے جان ہو وہ جاں بخش تو نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کا کوئی حل ان کے پاس نہیں اور ان سوالات کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکتے اور پھر اُن کا یہ کہنا کہ 'موت کیا ہے؟ انہی اجزاء کا پریشاں ہونا' بجائے خود غلط اور خلافِ واقعہ ہے۔ سب جانتے ہیں اور آئے دن یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ عناصر کا ظہورِ ترتیب تو علیٰ حالہ موجود رہتا ہے اور اس کے باوجود جان نکل جاتی ہے، آدمی مر جاتا ہے۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ○ اور انہیں اِس کا علم نہیں، وہ تو نرے گمان دوڑاتے ہیں" حقیقت سے بے خبر ہیں۔ خلافِ واقعہ کہتے ہیں پس حقیقت کو جاننے اور اُمورِ غیبیہ، مابعد الطبعیاتی باتوں کو سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولِ برحق صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان کے ارشادات میں ان تمام اُمور کا حل موجود ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَاللَّهُ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○

(پ ۱۴ ع ۱۷) اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا کہ کچھ نہ جانتے تھے اور تمہیں کان اور آنکھ اور دل دیئے کہ تم احسان مانو" عِلم و عمل سے فیض یاب ہو کر مُنعِم کا شکر بجا لاؤ اور اس کی عبادت میں مشغول ہو اور [illegible] کے حقوقِ نعمت ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اس کو عقل و [illegible] کر تمام خلوق سے ممتاز فرمایا، مکرم کیا۔ معاش و معاد کی تدابیر اور

تمام اشیائے کائنات پر استیلاء و تسخیر عطا فرما کر اپنی خلافت و نیابت سے سرفراز فرمایا اور مقررہ حدود کے اندر اس کو یہ قدرت بھی عطا فرمائی کہ وہ مخلوق اشیاء میں تصرّف کرے، اپنی عقل و شعور کے مُطابق نسل انسانی کی آسائش اور بہتری کے لئے اشیاء میں صنعت و تصرّف کر کے نت نئی ایجادات کرتا رہے۔

قولہ تعالیٰ: "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

(پ ۱۵ ع ۷) اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزّت دی (عقل و علم و گویائی، پاکیزہ صُورت، معتدل قامت اور معاش و معاد کی تدابیر اور تمام چیزوں پر استیلاء و تسخیر عطا فرما کر اور اس کے علاوہ اور بہت سی فضیلتیں دیکر) اور اُن کو خشکی اور تری میں (جانوروں اور دوسری سواریوں اور کشتیوں اور جہازوں وغیرہ میں) سوار کیا اور ان کو ستھری چیزیں روزی دیں (لطیف، خوش ذائقہ، حیوانی اور نباتی ہر طرح کی غذائیں خوب اچھی طرح پکی ہوئی کیونکہ انسان کے سوا حیوانات میں پکی ہوئی غذا اور کسی کی خوراک نہیں) اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا۔" حضرت حسن کا قول ہے کہ اکثر سے مُراد کُل ہے اور اکثر کا لفظ کُل کے معنیٰ میں بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی ارشاد ہوا: واکثرھم کاذبون اور مایتّبع اکثرھم الّاظنّا میں اکثر بمعنیٰ کُل ہے لہٰذا ملائکہ بھی اِس میں داخل ہیں اور خواص بشر یعنی انبیاء علیہم السّلام خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور صُلحائے بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن اللہ کے نزدیک ملائکہ سے زیادہ کرامت رکھتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فرشتے طاعت پر مجبول ہیں (یعنی ان کی جبلّت، طبیعت میں ہی طاعت ودیعت فرما دی گئی

ہے) یہی ان کی سرشت ہے' اِن میں عقل ہے شہوت نہیں اور بہائم میں شہوت ہے عقل نہیں اور آدمی عقل وشہوت دونوں کا جامع ہے۔ تو جس نے عقل کو شہوت پر غالب کیا وہ ملائکہ سے افضل ہے اور جس نے شہوت کو عقل پر غالب کیا وہ بہائم سے بدتر ہے۔ (خزائن العرفان) نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ○ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (پ ۲۵ ع ۱۵) اور ہم نے نہ بنائے آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر (اگر مرنے کے بعد اُٹھنا اور حساب وثواب نہ ہو تو خلق کی پیدائش محض فنا کے لئے ہوگی اور یہ عبث واجب ہے تو اس دلیل سے ثابت ہوا کہ اس دنیوی زندگی کے بعد اُخروی زندگی ضرور ہے جس میں حساب وجزا ہو) ہم نے اُنہیں نہ بنایا مگر حق کے ساتھ (کہ طاعت پر ثواب دیں اور معصیت پر عذاب کریں) لیکن ان میں اکثر جانتے نہیں"۔ کہ پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے اور حکیم کا فعل عبث نہیں ہوتا۔ (خزائن العرفان)

وہ منکرینِ حدیث دہریئے سائنسدان وغیرہ جو دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے اور موت کو فنائے محض قرار دیکر قیامت وحشر کا انکار کرتے ہیں اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ○ (پ ۱۱ ع ۶) بے شک وہ ہمارے ملنے کی اُمید نہیں رکھتے (روزِ قیامت اور ثواب وعذاب کے قائل نہیں) اور دُنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے۔ اور اس پر مطمئن ہوگئے اور وہ

جو ہماری آیتوں سے غفلت کرتے ہیں (حضرت ابن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہاں آیات سے حضور سرورِ کائنات محمّد رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور قرآن شریف مُراد ہے اور غفلت کرنے سے مُراد اُن سے اعراض کرنا ہے) ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلہ ان کی کمائی کا۔" یہ کس قدر تعجّب کی بات ہے کہ جو لوگ بزعمِ خود بڑے عقلمند سائنسدان بنے پھرتے ہیں وہ کبھی اس پر دھیان نہیں کرتے کہ جس عقل اور جن آلاتِ عقل کان، آنکھ اور دل وغیرہ کی مدد سے اشیائے موجودہ میں ترتیب و ترکیب دیکر ایجادات کرتے ہیں آیا یہ خود ان کی پیدا کردہ ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو جب خالقِ کُل اور قادرِ مُطلق نے ان اشیاء کو پیدا کیا اور انسان کو عقل اور آلاتِ عقل سے نوازا ہے اگر وہ یہ اشیاء ان کو مہیّا نہ کرے یا ان کی عقل وحواس کو سلب کرلے تو یہ بیکارِ محض ہو کر رہ جائیں اور کچھ بھی نہ کرسکیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰہُ سَمْعَکُمْ وَاَبْصَارَکُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ مَّنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِہٖ ط (پ ۷ ع ۱۱) تم فرماؤ۔ بھلا بتاؤ تو اگر اللہ تمہارے کان آنکھ لے لے اور تمہارے دلوں پر مُہر کردے (اور علم وعقل ومعرفت کا تمام نظام درہم برہم ہوجائے) تو اللہ کے سوا کون خُدا ہے کہ تمہیں یہ چیزیں لادے؟" اور اس کا جواب یہی ہے کہ کوئی نہیں! تو اب توحید پر قوی دلیل قائم ہوگئی کہ جب اللہ کے سوا کوئی اتنی قدرت واختیار والا نہیں تو عبادت کا مستحق صرف وہی ہے اور شرک بدترین جُرم ہے۔ چہ جائیکہ اس کا انکار کردیا جائے یہ تو انتہائی بے وقوفی اور جہالت کی بات ہے۔ صاحب عقلِ سلیم یہ جسارت نہیں کرسکتا۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ قدسنا اللہ باسرارہ العزیز کو ایک دہریہ (منکرِ خُدا) نے چیلنج دیا۔ "اگر تم اس دعویٰ میں سچّے ہو کہ واقعی خُدا موجود ہے اُسی نے دنیا کو پیدا کیا اور وہی سب کچھ کر رہا ہے تو مجھ سے مناظرہ کر کے اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش کرو۔"
امام اعظم علیہ الرحمۃ نے منکرِ خُدا کا چیلنج قبول کر لیا۔ مناظرہ کے لئے مقام اور وقت مقرّر کر کے اعلانِ عام کر دیا گیا۔ ہزاروں لوگ جمع ہو گئے۔ دہریہ بھی وقتِ مقرّرہ پر پہنچ گیا لیکن امام اعظم (علیہ الرحمۃ) نہ پہنچے۔ لوگ بے چینی کے ساتھ آپ کا انتظار کرنے لگے۔ جب وقتِ مقرّرہ گذر جانے کے بعد بھی کچھ دیر تک آپ تشریف نہ لائے تو مسلمان پریشان اور مضطرب ہو گئے۔ دہریہ شیخیاں بگھارنے لگا۔ لوگ مایوس ہو کر منتشر ہونے کو ہی تھے کہ آپ تشریف لے آئے۔ آپ نے دہریہ سے کہا: "آؤ مناظرہ کر لو۔" دہریہ بولا۔ "اصل موضوع پر بحث کرنے سے پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ وقتِ مقررہ پر کیوں نہیں پہنچے؟ آپ نے ضابطۂ اخلاق کو کس لئے توڑا؟"
امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: "اگر میں یہ کہوں کہ میرے تاخیر سے پہنچنے کی وجہ یہ ہوئی کہ جب میں آتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچا تو کوئی کشتی موجود نہ پائی۔ میں کشتی کا انتظار کرنے لگا۔ دریں اثناء ایک عجیب واقعہ رُونما ہوا۔ دریا کے کنارے ایک ننّھا سا پودا زمین سے نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک تناور درخت بن گیا۔ میں حیرت و استعجاب کے ساتھ اس درخت کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک وہ درخت کٹ کر گرا اور خود بخود اس کے تختے بنتے چلے گئے۔ پھر وہ تختے از خود موزوں انداز میں باہم جڑتے گئے اور کہیں سے لوہے کے کیل بھی اُڑتے ہوئے آئے اور تختوں میں حسبِ ضرورت پیوست ہو گئے اور اس طرح آناً فاناً کشتی تیار ہو کر خشکی پر سے چلتی ہوئی اپنے آپ دریا میں اُتر گئی۔ مَیں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا

اور دوڑکر کشتی پر سوار ہو گیا اور کشتی بغیر ملاح کے چلتی ہوئی دوسرے کنارے پہنچی تو میں کشتی سے اُتر کر سیدھا یہاں چلا آیا ہوں۔"

دہریہ چلا اُٹھا۔ "یہ سب کچھ ناممکن ہے، آپ کی یہ کہانی من گھڑت اور خلافِ فطرت ہے۔"

امام اعظم علیہ الرحمۃ نے اعلان فرمادیا۔ "مناظرہ ختم ہو چکا۔"

دہریہ حیران ہو کر بولا۔ "یہ کیسے؟"

آپ نے فرمایا۔ "جب کسی صانع کے بغیر ایک چھوٹی سی کشتی کا تیار ہو جانا اور اس کا خود بخود چلنا خلافِ فطرت اور ناممکن ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ یہ عظیم دُنیا، یہ وسیع کائنات بغیر کسی خالق و صانع کے معرضِ وجود میں آجائے اور پورا نظامِ عالم بغیر کسی چلانے والے کے ایک مستحکم ضابطہ و قانون کے تحت چلتا رہے؟"

عارف باللہ مولانا رومی قدسنا اللہ باسرارہ العزیز فرماتے ہیں ؎

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد	ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد
ایں سبب ہا در نظر پردہ ہاست	درحقیقت فاعلِ ہر شے خُداست

کوئی چیز خود بخود "چیز" نہیں بنی۔ کوئی لوہا خود بخود تلوار نہیں بنا۔ یہ اسباب جو دکھائی دیتے ہیں حجابات ہیں۔ درحقیقت ہر شے کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔

ہر موجود کے لئے "مُوجِد" اور ہر تغیّر کے لئے "مؤثّر" کا ہونا ایک ایسی کھُلی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں حتّٰی کہ دہریہ اور کوئی سائنسدان بھی اس سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ عناصر کے کون و فساد اور

اُن کے سارے تغیّرات صرف ایک ہستی کی مشیّت کے تابع اور اس کی حکمت کے مظاہر ہیں اور وہ ہستی "اللہ تعالیٰ" کی ہستی ہے جو واجبُ الوجود، خالقِ کُل، قادرِ مُطلق اور فعّالٌ لِمَا یُرِیدُ ہے ؎

ہر تغیّر ہے غیب کی آواز
ہر تجدّد میں ہیں ہزاروں راز

فقط - والسّلام علیٰ من اتبع الھُدیٰ

الفقیر الی الرحمٰن ابوالحسّان حکیم محمّد رمضان علی قادری غفرلہٗ
سنجھورو سندھ - پوسٹ کوڈ نمبر: ۶۸۳۲۰

مورّخہ: یکم ذیلقعد ۱۴۱۶ ہجری
مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۹۶ء

تصنیفِ لطیف "ذِکر و فکر" کے مُصنّف علّامہ ابُوالحسّان قادری کی دیگر تصانیف

۱۔ مکمّل تنویرالایمان (حصّہ اول و دوم)

اس عظیم الشّان کتاب میں حضور اکرم سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلم اور اولیاءً کرام سے مسئلہ توسّل و استمداد، ندا، غائبانہ اور حیاتِ انبیاء و اولیاء پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے اور منکرینِ وہابیہ کے اعتراضات کے مکمل جوابات دیئے گئے ہیں۔

۲۔ مکمّل تنویرِالبُرہان لدفع ظلمات قرن الشیطان (حصّہ اول و دوم)

تردیدِ وہابیہ میں یہ کتاب بے مثل ہے۔ منکرینِ وہابی اپنے باطل نظریات کے تحت تمام مسلمانانِ اُمّت کو بدعتی، مشرک، کافر قرار دیتے ہوئے ذرہ بھر نہیں شرماتے۔ جن عقائد و اعمال پر اجماعِ امّت ہے یہ لوگ ان عقائد و اعمال کو شرک و کفر ٹھہراتے ہیں۔ وہابیہ کے عقائد اور ان کے طرزِ عمل سے واضح ہے کہ یہ لوگ اصل دینِ اسلام کے منکر اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے باغی ہیں۔ اس کتاب میں نجدی وہابیوں کی تمام تر خرافات کی تردید قرآن و حدیث کی روشنی میں بہ دلائلِ قاہرہ کردی گئی ہے۔

۳۔ مکمّل تاریخ وہابیہ۔

اِس شہرۂ آفاق تاریخی تحقیقی کتاب میں نجدیہ وہابیہ کے اسلام دشمن سیاسی کردار کو ناقابلِ تردید حقائق و شواہد کے ساتھ اُجاگر کیا گیا ہے۔ یہ خوارج الاصل وہابی اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک و کافر ٹھہرا کر ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے ہیں۔ آج تک جتنا نقصان اسلام اور اہلِ اسلام کو اِن مُسلم نُما وہابیوں سے پہنچا ہے کھُلے کفّار سے نہیں پہنچا۔ اِن عظیم فتنہ گروں کو پہچاننے کے لئے اِس کتاب کا مطالعہ بیحد ضروری ہے۔

۴ - مَعدنِ اخلاق :

۱۵۰۰ صفحات پر مشتمل نادر تالیف؛ یوں تو اخلاقیات کے موضوع پر اُردو زبان میں بہت سی کتابیں دستیاب ہیں لیکن علامہ ابُوالحسّان قادری کی اس تالیف میں جو دلکش انداز اختیار کیا گیا ہے وہ بنی نوعِ انسان کے اخلاق کو سنوارنے میں بیحد مؤثر اور مفید ہے۔ اِس لحاظ سے معدنِ اخلاق' اخلاق کے موضوع پر مُنفرد مقام کی حامل ایک ایسی جامع تالیف ہے جس سے طلبار' علمار' واعظین' مقررین اور عام مسلمان یکساں مستفید ہو سکتے ہیں۔

اس کتاب کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ اخلاقیات کے تیئیس ۲۳ عنوانات قائم کئے گئے ہیں : (۱) توحید' خوفِ خدا (۲) عشق و تعظیم رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم (۳) اخلاصِ نیّت (۴) زہد و تقویٰ (۵) توبہ' رجوع الی الحق (۶) توکّل' قناعت' استغنار (۷) ایثار و سخاوت (۸) علم و علمار (۹) امر بالمعروف (۱۰) صحبتِ صالحین (۱۱) عفو و درگذر (۱۲) مساوات و عدل (۱۳) حق گوئی و بیباکی (۱۴) جہاد و شجاعت (۱۵) ماں باپ' رشتہ داروں اور ہمسایوں کے حقوق (۱۶) سچ اور جھوٹ' بغض وحسد (۱۷) غرور و تکبر' تواضع و انکساری (۱۸) پردہ' شرم وحیا (۱۹) کسبِ معاش' اکلِ حلال (۲۰) ایفائے عہد (۲۱) حکمت و دانائی (۲۲) لطائف و ظرائف (۲۳) ارشادات۔ اور ہر عنوان کے تحت موضوع کے مطابق قرآن مجید اور حدیث شریف کے احکام اس کے بعد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متعلّق واقعات وحکایات پھر صحابۂ کرام علیہم الرضوان' تابعین' تبع تابعین' ائمہ مجتہدین' علمأ' اولیار' بادشاہوں' دانشوروں' امرار' حکّام اور مشہور لوگوں کے واقعات وحکایات اور حسبِ موقع و مناسبت اشعار درج کئے گئے ہیں۔ واقعات وحکایات' معتبر و مستند کتب سے ماخوذ اور باحوالہ درج ہیں۔ الغرض علّامہ موصوف نے معدنِ اخلاق کی تالیف میں بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام لے کر سینکڑوں کتب و رسائل کا نچوڑ جمع فرما دیا ہے۔ بلا مبالغہ معدنِ اخلاق کی تالیف اُردو ادب میں ایک گراں بہا اضافہ ہے۔ جس کے مطالعہ کے بعد قارئین مؤلّف کو تہہ دل سے داد دیئے بغیر نہ رہیں گے۔